اقبال و احمد رضا

مدحت گرانِ پیغمبر

۱۹۷۷

حکیم الامت علامہ اقبال اور مجدد ملت احمد رضا بریلوی کی قدرِ مشترک — عشقِ رسول ﷺ

راجا رشید محمود ایم اے

ندیم پبلیشرز

صفیہ منزل ٥ آوٹ فال روڈ ٥ لاہور

اقبال و احمد رضا

مدحت گرانِ پیغمبر

۱۹ ۶ ۷۷

حکیم الامت علامہ اقبال اور مجدد ملت احمد رضا بریلوی کی قدرِ مشترک — عشقِ رسول ﷺ

راجا رشید محمود ایم اے

ندیم پبلیشرز

صفیہ منزل ۵ آوٹ فال روڈ ۵ لاہور

اشاعتِ اول ——— دسمبر ۱۹۷۷ء

اشاعتِ دوم ——— نومبر ۱۹۷۹ء

اشاعتِ سوم ——— نومبر ۱۹۸۷ء

تعداد ——— ۲۰۰۰

مطبع ——— آئی سی پرنٹرز لاہور

ناشر ——— ندیم پبلیشرز

قیمت

دس روپے

عشقِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس جذبے کے نام'

جس سے ایمان کی بنیاد قائم ہے

عاشقانِ یکتائے روزگار

۱۳۹۷ھ

قمرؔ کیسے ہو ذکر و بیانِ عشقِ رسول — ہے ربِ قدس کو معلوم شانِ عشقِ رسول
انھی کے دم سے ہے قائم جہانِ عشقِ رسول — ہیں جن کے قلب و نظر ترجمانِ عشقِ رسول
عطا ہو اذنِ تکلم جو دل کے زخموں کو — تو پھر کریں یہ بیاں داستانِ عشقِ رسول
غمِ فراق میں سوزِ دروں کی لذت کو — وہ جانتے ہیں جو ہیں کشتگانِ عشقِ رسول
جہانِ عشق انھی کی ضیا سے روشن ہے — مہ و نجوم ہیں دیوانگانِ عشقِ رسول
دو عاشقانِ رسولِ کریم کا یہ ذکر — ہے بہرِ اہلِ وفا ارمغانِ عشقِ رسول
وہ خوش خصال تھے مدحت گرانِ پیغمبر (۱۹۷۷ء) — تھے اعلیحضرت و اقبال کانِ عشقِ رسول
شعور و فکر رہے ان کے وقفِ نعتِ حبیب — تھا ثبت ان کے دلوں پر نشانِ عشقِ رسول
کھلے ہوئے ہیں بہر سُو حدائقِ بخشش — ہے خلدِ قلب و نظر بوستانِ عشقِ رسول
چلو اے راہروانِ رہِ خلوص و نیاز — رواں ہے سوئے جناں کاروانِ عشقِ رسول

قمرؔ ہے جس سے معطر نگار خانۂ عشق (۱۳۹۷ھ)
ہے وہ صحیفۂ عنبر فشانِ عشقِ رسول

—— صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ——

رشحاتِ خامۂ قمر یزدانی
۱۹۷۷ء
پنوانہ ضلع سیالکوٹ

فہرس

فساد و کفر کے اندھیرے اور نورِ مصطفیٰ ۷
کائنات کے محسن آقا ۸
کاروانِ حیات کے لیے منارۂ نور ۱۰
قرآن و احادیث میں عشقِ رسول کی اہمیت ۱۲
توحید و رسالت ۱۴
عید میلاد النبی اور سالِ ولادتِ اقبال ۱۶
مدحِ رسول ۱۷
عشقِ مصطفیٰ اور اقبال و احمد رضا ۱۸
حسنِ تربیت کا فیضان ۲۷
پیشہ مرا شاعری ، نہ دعوٰی مجھ کو ۳۱
اقبال و احمد رضا کا تعلق ۳۲
محشر میں سرکارِ دو عالم کا سامنا کرنے کا احساس ۳۳
دونوں عشاق کا دربارِ رسول میں مقام ۳۶
کلام میں ارشاداتِ قرآن و احادیث کا عکس ۳۷
اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۴۲

سنِ مصطفیٰ	۴۴
احترامِ رسول	۵۱
توہینِ رسول	۵۴
عیدِ میلاد النبی	۵۹
نورِ مصطفیٰ	۶۱
رازِ "عبدہٗ"	۶۳
خدا و رسول	۶۷
معراج النبی	۷۰
ختمِ نبوت	۷۳
حیات النبی	۷۵
حاضر و ناظر	۷۶
علمِ غیب	۷۷
سرکار کی قدرت	۷۹
شفیعِ روزِ شمار	۸۶
مدینہ طیبہ میں حاضری کی تمنا	۹۰
قادریت	۹۹
کتابیات	۱۰۲
تبصرے	۱۰۵

فساد و کفر کے اندھیرے اور نورِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

انسانیت کی نیّا تلاطمِ عصیان و کفر کے ہچکولوں کے حوالے تھی کہ محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا نے اس کی ناخدائی کا بیڑا اٹھایا۔ دُنیا غلبۂ نفس کا شکار تھی۔ زبردست کی شہنشاہی اور کمزور کی تباہی کے دن تھے۔ خالق و مالک خدائے لم یزل کے بجائے بے جان بتوں کو معبود بنا لیا گیا تھا۔ خواہشوں کو پوجا جاتا تھا۔ عالمِ انسانیت وحشت و بربریت کا مرقع بن چکا تھا۔ عورتوں سے حقوقِ زندگی چھین لیے گئے تھے۔ غریبوں کی زندگی اُن کے کندھوں کا بوجھ بن گئی تھی۔ شرک و بدعت کا دور دورہ تھا۔ حقوق العباد غصب کرنا، عظمت و کردار کی دلیل بن گیا تھا۔ جہالت کی تاریکیاں اذہان و قلوب پر چھا چکی تھیں۔ صداقت و ہدایت کے چشمے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ ایسے میں خدائے وحدہٗ لاشریک نے ایک بے مثال ہستی کو دُنیائے آب و گِل میں بھیجا۔ وہ ہستی جسے اس نے سب سے پہلے پیدا کیا تھا۔ جن کے لئے سب کچھ تخلیق کیا تھا۔ رشد و ہدایت کا یہ سرچشمہ عرب کے شہر مکہ مکرمہ سے پھوٹا۔ کفر و الحاد کے چھکے چھوٹ گئے، توحید کا سورج طلوع ہوا۔ بدرالدجیٰ، نور الہدیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی آمد نے اس دُنیائے تیرہ و تار کو مطلع انوار بنا دیا۔

کائنات عالم میں ہدایت کا اصل ذریعہ انبیائے کرام ہیں۔ انہی سے صداقت کی کرنیں پھوٹتی اور دُنیا کو بقعۂ نور بناتی ہیں۔ انہی سے اخوت و مروت کی شمعیں جلتی ہیں اور بُغض و کینہ و فساد کے اندھیرے گوشوں کو منور کرتی ہیں۔ انبیائے کرام میں سب سے زیادہ اہمیت ہمارے آقا و مولا کو ہے، جو امام الانبیاء ہیں کہ بیت المقدس میں تمام انبیا نے ان کی اقتدا میں نماز ادا کی۔

رسول سامنے نہ اُن کے پیچھے نماز اقصےٰ میں کیوں کھڑے ہوں
کہ وہ بھی سرکار کی بدولت وجود میں آئے تھے عدم سے

سرکار نبی الانبیا ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیا کی ارواح سے اُن کی نبوت کا حلف لیا تھا۔

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذٰلکم اصری۔ قالوا اقررنا۔ قال فاشہدوا وانا معکم من الشّٰہدین (سورہ آل عمران آیت ۸۱-۸۲)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے۔ تو تم ضرور ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

کائنات کے محسن آقا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم محسن انسانیت ہیں۔ انہوں نے اپنے ابدی اصولوں، سنہری ارشادات اور روشن کردار کے باعث انسانیت کو قعر مذلت کے عمق سے بام اوجِ عظمت تک پہنچایا۔ وہ غریبوں کے حامی، غلاموں کے مولا اور بے کسوں کے دستگیر ہیں کہ انہوں نے زیردستوں کو زبردستوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت بخشی اور حوصلہ شکن حالات اور بہت کم

رہے ہیں انسانی مساوات کی ایسی تعلیم دی جس کی تابانی و درخشانی کے سامنے غیر اسلامی نظام آنکھیں موندے، دم سادھے پڑے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مظلوموں کے خبر گیر اور بیواؤں، غریبوں، ناداروں کے پشت پناہ تھے۔ دشمن بھی ان کی صداقت و امانت کے مداح و معترف ہیں۔

جو تیری جان کے دشمن تھے، وہ بھی کہتے تھے
امین تو ہے، صداقت کی آبرو تو ہے،

انسان کو حقیقی کامیابی و کامرانی اور فلاح و بہبود کا راستہ فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ نے دکھایا۔ غاروں کی تنہائیوں کو روشن کرنے والے نے دُنیا کے در و دیوار سے انسانوں کے دلوں تک کو تابندہ و درخشندہ کر دیا۔ ہم خدا کے تصور سے بیگانہ تھے، ہمیں سرکار نے اس تک پہنچا دیا۔ ہم اپنے آپ سے ناواقف تھے، ہمیں عرفانِ نفس دیا۔ ہم نفس کے دھوکے میں آ گئے تھے، ہمارا تزکیہ کیا۔ ہماری رفتار میں وقار اور گفتگو میں سنجیدگی نہ تھی، ہمیں ان راہوں سے آشنا کیا۔

پہلے انسان انسان کا محتاج تھا۔ میرے آقا نے اس احتیاج کے تصور تک کو مٹا کر انسان کو صرف خدا کے در تک پہنچنے کی لگن لگائی۔ صاحبِ لولاک آقا نے حریتِ فکر کی تشکیل کی، مساوات و اخوتِ انسانی کی تاسیس کی اور تخیل و تصور کو تحت الثریٰ کی عمیق گہرائیوں سے افلاک تک پرواز کی تعلیم دی۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے آدمیت غلامی کی زنجیروں میں مقید و محبوس تھی۔ آپ نے ہمیں وہ طریقِ حیات دیا، اُس اسلوبِ زندگی کی تلقین کی، جس میں انسانیت کی فلاح کا راز مضمر تھا، جس میں آزادیِ فکر و خیال کی نوید تھی، احساس کی عظمت تھی۔ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بنی نوعِ انسان کی زنگ آلود صلاحیتوں کو اپنے اقوالِ زریں اور اعمالِ صالح سے صیقل کیا۔ انہوں نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کا بھائی قرار دیا اور عالمِ ایجاد میں موجود رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا کر آدمی کو اتحاد و یگانگت کی راہ پر چلا دیا۔ انہوں نے تالیفِ قلوب کی، اخوت و محبت کی غیر محسوس زنجیروں کو ذہن و احساس پر نافذ کر دیا، ملت کو جسدِ واحد بنا دیا۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے محسن ہیں کہ انسانیت کو انہوں نے دُنیوی فلاح اور اُخروی نجات کا راستہ دکھایا۔ آپ خالقِ کائنات کے محبوب اور ممدُوح ہیں کہ قرآنِ مجید آپ کی تعریف و ثنا سے بھرا پڑا ہے۔ سرکار میرے محسن ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں کہاں ہوتا۔ آپ خدا کے بندے ہیں، اُسکے نبی اور رسول ہیں، اس کے محبوب ہیں، اس کے علاوہ باقی ہر چیز آپ کی مرہونِ منت ہے، آپ کی مدّاح ہے، آپ کے عشق کا دم بھرتی ہے۔ کیونکہ اگر سرکار نہ ہوتے تو فرد کی تخلیق نہ ہوتی، معاشرہ نہ بنتا، ملک وجود میں نہ آتے، زمین و آسمان کا تصور موہوم و معدوم ہوتا، کائنات معرضِ وجود میں نہ آتی۔ اونٹ کی خلقت، آسمان کی رفعت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ پہاڑ کیسے نصب ہوتے اور زمین کس طرح مسطوح ہوتی۔ خدا کا نام لیوا کون ہوتا۔ اس کی تسبیح و تحمید کون کرتا ـــ یہ سب کچھ تو سرکار کے فیض سے ہے، اُن کے وسیلے اور واسطے سے ہے۔

فخرِ موجودات سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نہ ہوتے تو رب کریم اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا، کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

کاروانِ حیات کے لیے منارۂ نُور

تاریخ کے صفحات پر بڑے بڑے باجبروت شہنشاہوں کے تذکرے بکھرے پڑے ہیں لیکن ان کی جبروت و عظمت نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے قدموں میں پناہ تلاش کی، ان کی کشور کشائیوں کو حضور کے نام لیواؤں نے اپنے پیروں تلے روند ڈالا اور قیصر و کسریٰ کے سر ان لوگوں کے سامنے خم ہوگئے، جو حضور کے نامِ نامی کے احترام میں سر جھکا دیا کرتے تھے۔ جنگجوؤں نے دُنیا فتح کی، تلوار کے زور سے اپنا لوہا منوایا، بڑے بڑے خطۂ ارض پر حکومت کی مگر شاہِ اُمم نے اپنے اخلاقِ عالیہ سے ہتھیاروں کے منہ پھیر دیئے، ذہنوں کو حق کی طرف راغب کیا اور دلوں پر حکمرانی فرمائی۔ انبیاء و رسل نے اپنے اپنے حیطۂ اختیار کے لوگوں کو صراطِ مستقیم

دکھایا مگر نبی الانبیاء اور افضل الرسل کا پیغام عالمگیریت کا حامل ہے، انہیں پوری خلقِ خدا کی رہبری اور رہنمائی کا فریضہ سونپا گیا تھا اور حضور کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا۔ حضور صرف اپنی اُمت ہی کے لئے رؤف و رحیم نہیں، عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ ان کی شفاعت صرف مسلمانوں ہی کی نہیں، پہلے انبیا اور ان کی اُمتوں کی بھی دستگیر ہے۔

اگر شہنشاہِ کونین کی معرفت نصیب نہ ہوتی تو طالبانِ حق حقیقت کو کیسے پاتے! اگر حضور کا اسوۂ حسنہ رہنمائی نہ کرتا تو دُنیا و آخرت میں سرخروئی کس کو حاصل ہوتی۔ اگر آپ کی تعلیمات و ارشادات اور آپ کی سیرتِ پاک دستگیری نہ کرتی تو حیاتِ انسانی "تاریخِ عالم"، تہذیب و تمدن اور معاشرت و مدنیت میں خوشگوار اور صحت مند انقلاب کیسے آتا۔ آقا کا نور معاونت نہ کرتا تو تاریکی و گمراہی سے نجات کیسے ملتی۔ اگر آپ کے کردار و گفتار سے ہم مستفید نہ ہوتے تو حیاتِ انسانی پریشاں نظری کا شکار رہتی، ہم قیامت تک فکری اور نظری بھول بھلیوں میں بھٹکتے پھرتے۔ آپ نے ایسا جامع نظامِ حیات، مکمل ضابطۂ زندگی اور بے داغ فلسفۂ عمل پیش کیا، جس کی مثال کسی اور نظام سے ممکن ہی نہیں۔ اس نظام نے ہمیں زندگی کے تمام شعبوں میں رہنما اصول دئے۔ معاشرت، معیشت، عقائد و عبادات، نظمِ حکومت و سیاست غرض کوئی پہلو ایسا نہیں بچا ہے نظامِ مصطفےٰ میں مکمل رہنمائی موجود نہ ہو۔ آقا نے ہمیں کسی بھی پہلو سے کسی اور دَر پر دریوزہ گری کا محتاج نہیں رہنے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس رحمت کی وہ گھٹا ہے، جو خشک اور بنجر ریگستانوں پر برسی تو کلفت و ضلالت کے گرد باد ختم ہوگئے، بے ہودگیوں اور بدعقیدگیوں کی دھول بیٹھ گئی، ظلم و استبداد کی حدت خنکی میں تبدیل ہو گئی اور بداخلاقی و بے حیائی کے جھکڑ دم توڑ گئے۔

رحمۃ للعالمین کی بارانِ فیضان و کرم سے انسانیت کو کفر کے تپ سے نجات مل گئی، خیر و برکت کے سبزہ و گل کی افزائش ہوئی اور ظلم و عدوان کے بے برگ و بار ماحول میں لالہ و نسترن کھل گئے۔

رحمتِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم کاروانِ حیات کے لئے مینارۂ نور بن گئے۔ حضورؐ جو مسلمانوں کے لئے رؤف و رحیم ہیں، ان کے لئے حریص ہیں، تمام جہانوں کے لئے رحمت بھی ہیں۔ نکتۂ "قالوا بلیٰ" کی تفسیر حضورؐ، آفرینشِ کائنات کا منشا حضورؐ، شبِ اسریٰ خدا کو آنکھ نہ جھپک کر دیکھنے والے حضور۔ خدا جن کی عمرِ عزیز کی قسمیں کھائے، ان گلیوں کے حلف اٹھائے جن میں سرکار چلتے پھرتے تھے۔ خالقِ کائنات ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی دشمنی کو اپنی دشمنی قرار دے —— پھر کیوں نہ ہو کہ ایسی ہستی کو ہم جان و مال و اولاد سے عزیز رکھیں۔ ہمارے دل انکے عشق میں ڈوبے ہوئے اور ہماری روحیں انکی محبت سے سرشار کیوں نہ ہوں، کیوں ہم خدا کے حکم پر عمل پیرا نہ ہوں اور ہر وقت ان پر درود و سلام کے پھول نچھاور نہ کریں اور خدا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نہ ہوں۔ خداوند کریم کے احکام، صحابۂ کرام اور بزرگانِ دین کے اعمال کی پیروی میں انسان اور خصوصاً مسلمان کا رواں رواں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا مرکز کیوں نہ بن جائے۔

قرآن و احادیث میں عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہمیت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر زور دیا ہے، حضور کی محبت کو اہمیت دی ہے، خداوند کریم نے اپنے محبوب کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

(اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔)

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم

(وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

خدا نے فرمایا کہ جس کو حضور اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوں، وہ اپنے دعویٰ اسلام میں سچا ہے۔

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم

(نبی کریم مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں)

پھر فرمایا کہ کوئی شخص خدا سے محبت کے دعوے میں سچا نہیں اگر حضور کی اتباع نہیں کرتا، اور جو حضور کی پیروی میں پختہ کار ہے، وہ خدا کا محبوب ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

(میرے حبیب! آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (پھر) اللہ بھی تم سے محبت کرے گا)

خداوند قدوس نے اسلام کے پیروؤں کو احترامِ رسولِ پاک کی تلقین فرمائی۔

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہٗ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ۰

(اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ چلاتے ہو کہ کہیں اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے محبوب کا فیصلہ صدقِ دل سے نہ ماننے والے مومن کہلانے کے حقدار نہیں۔

فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما ۰

(تو اے محبوب! تیرے رب کی قسم، وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑوں میں تمہیں حکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرما دو، اپنے دلوں میں اس

سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں ؛

— اور جو مومن ہیں، وہ خدا اور اس کے رسول کے فرشتوں کی تقلید میں اور خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کے گلہائے عقیدت نچھاور کریں۔

ان اللّٰہ وملٰئکتہٗ یصلّون علی النبیّ ط یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو)

دوسرے تمام انبیاء و مرسلین کا نام قرآنی آیات میں لیا گیا ہے لیکن ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ نے قرآن حکیم میں آپ کے نام سے نہیں پکارا بلکہ آپ کو رسول کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے کہیں المزمّل المدثّر فرمایا گیا ہے۔ خدا نے کہیں آپ کے چہرۂ پُر نور کی، کہیں آپ کی عمر عزیز کی، کہیں آپ کی جائے قیام کی قسمیں کھائی ہیں۔

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے دوجہاں نے فرمایا؛

لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہٖ والنّاس اجمعین (بخاری و مسلم)

(تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔)

بخاری شریف ہی میں ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کو ماسوا سے زیادہ پیارے سمجھے گا، ایمان کی لذت و حلاوت پائے گا۔

توحید و رسالت

خداوند کریم کی توحید تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی اور بعد میں بھی مختلف

قوموں میں کسی نہ کسی شکل میں عقائد کا جزو رہی ہے۔ اسلام میں رسالت پر ایمان کلمۂ توحید کا لازمی حصہ ہے۔ جب تک کوئی شخص حضور کو خدائے لم یزل کا رسولِ برحق تسلیم نہیں کرتا، ان کی محبت کو اپنے لئے توشۂ آخرت نہیں سمجھتا، ان کے ارشادات و عمل کو حرزِ جاں نہیں بناتا، اس کا عقیدۂ توحید پر یقین بے معنی ہو جاتا ہے۔

شرطِ ایماں ہے کہ اقرارِ رسالت بھی کرو
صرف اقرارِ الوہیت یہاں بے سود ہے

حضور کی وساطت کے بغیر خدا تک پہنچنے کا اسلام میں کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی رسالت کو اور حضور کے خاتم النبیین ہونے کو تسلیم کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خداوند کریم کے وحدہٗ لاشریک ہونے اور خالق و مالک ہونے پر ایمان لازمی ہے۔ کوئی شخص لا اِلٰہ اِلّا اللہ پڑھنے سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ محمّدٌ رّسُولُ اللہ کلمۂ توحید کا لازمہ ہے۔ اس لئے معرفتِ خداوندی، اطاعت و محبتِ مصطفوی کے بغیر ممکن ہی نہیں، بارگاہِ ایزدی میں رسائی کا تصور محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غلامی کے بغیر ایک موہوم تصور ہے، خدا تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

جب خداوند تعالےٰ نے خود فرما دیا کہ اپنی اولاد، والدین اور تمام مخلوق سے زیادہ حضور کو محبوب نہ سمجھنے والے مومن نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ جس کا دل آپ کی محبت سے خالی ہے اس کے مومن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا سے انتہائی عشق و محبت اور آپ کی اتباع و اطاعت اسلام کے عقیدۂ نبوت و رسالت کا لازمی بنیادی جزو ہے۔ —— اور ظاہر ہے کہ آقا سے محبت نہ ہو تو ادب و احترام کیسے ہوگا۔ ان سے عشق نہ ہوا تو ذاتی خواہشات کو تج کر بلند تر مقاصد کے لئے جان و مال و آبرو کی قربانی دینے کا خیال کس طرح پیدا ہوگا —— اور یہ جذبہ بیدار نہ ہوا تو کمالِ اطاعت کا مقام کیونکر حاصل ہو سکے گا۔

عید میلاد النبی اور سالِ ولادتِ اقبال

یہ حضور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ہی کا فیضان ہے کہ آپ کی اس دنیائے آب و گل پر تشریف آوری کی خوشی میں ہم مسرت و ابتہاج کی تقریبیں منعقد کرتے ہیں۔ حضورِ پُرنور شافع یوم النشور کی ولادت باسعادت خدا کا ہم پر احسانِ عظیم ہے۔ ہر عاشق مصطفٰی کی طرح علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت بریلوی بھی عید میلاد النبی منانے کی اہمیت لوگوں پر جتاتے رہے، سرکار کے گُن گاتے رہے، حضور کی تعریف و ثنا میں تر زباں رہے۔ اب ۹ نومبر ۱۹۷۷ء کو جب علامہ اقبال کا صد سالہ جشنِ ولادت منایا جا رہا ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جشنِ ولادت منانے والے اس عاشقِ رسول کی یاد کو ہم اپنے سینوں میں لیا ہیں، اس کے نعتیہ اور عاشقانہ کلام کو پڑھیں، اس نے جس پیغام کو عام کیا ہے، اسے لوگوں تک پہنچائیں اور یہ بات عامۃ المسلمین کو سمجھائیں کہ محبوب خالق صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ خادم (علامہ اقبال علیہ الرحمۃ) کا جشنِ ولادت پورا سال منانے والوں اور اس جشن کے انعقاد پر معترض نہ ہونے والوں کا اقبال کے آقا و مولا، جہان کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا جشنِ ولادت منانے پر اعتراض کیسے درست ہو سکتا ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ اس اہم موقع پر علامہ اقبال کے ساتھ ساتھ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کے عشقِ مصطفٰی کی جھلکیاں بھی قارئین کرام کو دکھاؤں تاکہ مختلف شعبوں میں اسلامی خدمات انجام دینے والے دو عبقریوں میں سرکار کی محبت کے موضوع پر جن عقائد فکر آشکار ہو۔ اس مضمون سے واضح ہو گا کہ جن عقائد کی بنا پر کچھ لوگ ان دو عاشقانِ رسول میں سے کسی ایک کو مطعون کرتے ہیں، محبت کا وہی جرم دوسرے نے بھی کیا ہے اور تواتر و تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مدحِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ امر مسلّم ہے کہ ممدوحِ کبریا کی مدحت سرائی بہت مشکل بات ہے کیونکہ نعت خداوند تعالےٰ کی سُنّت ہے، اس لیے اس کے مضامین قرآن و حدیث سے ماخوذ ہونے چاہئیں اور مدحِ حضور میں خامہ فرسائی کرنے والے کو ان مضامین میں کامل درک کی ضرورت ہے۔ پھر ان مضامین کو اسلوب کی نیرنگی اور پیش کش کی دلکشی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے مگر طرزِ ادا میں وہ آزادی جو غزل کے لئے استعمال ہو سکتی ہے، یہاں نہیں برتی جا سکتی۔ محبوبِ خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کا تقاضا ہے کہ نعت کہنے والا سراپا ادب ہو۔ جو شخص عبودیت اور محبوبیت کے نازک فرق کو نہ سمجھتا ہو، الوہیت اور رسالت کے تعلق کو نہ جانے، وہ نعت کیا کہہ سکتا ہے۔ مدحتِ مصطفٰی کی پہلی شرط یہ ہے کہ نعت کہنے والے کا قلب عشقِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معمور ہو۔ تمنا عمادی کہتے ہیں۔

"سچے مومنین جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخلصین لہ الدین کی حیثیت سے فدویانہ گرویدگی رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالےٰ کے رسول کے ساتھ بھی والہانہ شیفتگی ضرور رکھتے ہیں کیونکہ ان کا اس پر ایمان ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان میں سے بحُسنِ اتفاق جو شاعر بھی ہیں، وہ اپنے نبی محبوب کے ساتھ اپنے والہانہ جذباتِ محبت و عقیدت کا اظہار نعتیہ اشعار کے ذریعے کم و بیش کرتے رہتے ہیں۔"

زمن بر آں گلِ رعنا غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند (حافظ)

(سیارہ لاہور۔ عبدالعزیز خالد نمبر ص ۱۰۹)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور، پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی اپنے ایک مضمون میں نعت کی صنف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"نعت محض رسول کریم کی شاعرانہ توصیف کا نام نہیں بلکہ بقول ایک تنقید نگار، نبوت کے حقیقی کمالات کی ایسی تصویر کشی کا نام ہے، جس سے ایمان میں تازگی اور روح کی بالیدگی پیدا ہو سکے اور یہ تازگی اور بالیدگی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب مداح کا دل رسول کی محبت کے حقیقی جذبات سے پُر ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ مقام و مرتبہ سے الگ ہٹ کر نعت گوئی کے راستے میں ایک اور بھی مرحلہ قرآن کے اس حکم کی بنا پر پیدا ہوتا ہے کہ "تم نبی کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو" نتیجے میں وہ تشبیہات و استعارات جن میں پاکیزگی، تقدس اور طہارت نہ ہو، ہمارے لئے بیکار ہو جاتے ہیں اور اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ صرف تعظیمی ضمائر استعمال کئے جائیں اور یہ ضمائر انہی لوگوں کے ہاتھ آتے ہیں، جو جذبے اور وجدان کی آگ کے ساتھ ساتھ تقاضاءِ شعر و شریعت کو ہم آہنگ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں"

(المیزان بمبئی۔ امام احمد رضا نمبر ص ۴۷۹)

خود اعلیٰ حضرت اس راہ کی مشکلات کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے" (الملفوظ۔ حصہ دوم ص ۳۰)

عشقِ مصطفےٰ اور اقبال و احمد رضا

زیرِ نظر مقالے میں جن دو عاشقانِ رسول کا ذکر مطلوب ہے، ان میں سے علامہ اقبال

رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری کے متعلق بڑودہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر وحید اشرف نے المیزان کے مذکورہ بالا نمبر میں لکھا۔

"اردو اور فارسی نعتیہ شاعری میں علامہ اقبال بالکل منفرد اور مستقل مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلامی فلسفۂ حیات کی ترجمانی کی ہے لیکن اس فلسفۂ حیات کی اساس عشق ہے اور ان کا یہ عشق بھی جمالِ محمدی کا مرہونِ منت ہے، اس لئے درحقیقت علامہ اقبال کا وہ جذبۂ عشق ہی ہے، جس سے ان کے فکر کو جلا ملتی ہے اور جو ان کی شاعری کی روح ہے۔ اقبال کے اشعار میں اسلام کا فلسفۂ حیات مضمر ہے لیکن یہاں فلسفہ، فلسفہ نہیں رہ جاتا بلکہ عشقِ رسول کے جذبے میں ڈھل کر شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے جس کے بغیر اقبال کی شاعری مجرد فلسفہ ہو کر رہ جاتی" (المیزان بمبئی۔ امام احمد رضا نمبر۔ ص ۴۵۶)

مدح گویانِ سرکارِ دوعالم میں علامہ اقبال کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"نعت کے غیر رسمی معنوں میں علامہ اقبال اردو کے اہم ترین نعت نگار ہیں۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کہ اپنی شاعری میں سیکڑوں جگہ آنحضرت کی سیرت و کمالات کا والہانہ اظہار کیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی پوری شاعری کا حقیقی محور سیرتِ محمدی اور اسوۂ رسول ہے حتیٰ کہ ان کے فلسفۂ خودی کا اصل الاصول بھی یہی ہے۔ اسرارِ خودی سے لے کر جاوید نامہ تک ان کا کلام صاف بتاتا ہے کہ ان کے فکر و فن کا نقطۂ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطۂ ارتقا و اتمام بھی رسالت ہے" (اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ ص - ۵۰)

عنایت عارف بھی اس مردِ قلندر کے جذبات و احساسات اور فکر و خیال کا محور حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشقِ صادق کو قرار دیتے ہیں:

"عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ مرکزی نقطہ ہے، جس کے گرد اقبال کا پورا پیغام گھوم رہا ہے ..... اقبال کے نزدیک امتِ مسلمہ کی بقا اور سلامتی عشقِ رسول میں پوشیدہ ہے۔ وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ رَو "

راہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر مسلمان کے لئے دنیا میں عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہنا ممکن ہی نہیں۔ وہ بار بار یہی تلقین کرتا ہے کہ میں نے تقدیر کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اے مسلمان! نا اُمید نہ ہو اور راہِ مصطفیٰ اختیار کر!

کشودم پردہ را از رُوئے تقدیر
مشو نومید و راہِ مصطفیٰ گیر

اگر مسلمان عشقِ نبی سے سرشار ہو کر زندگی کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا تو پھر اس کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ دینِ ابراہیم سے اپنا رشتہ منقطع کر لے اور کافر کی موت مرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

اگر باور نداری آنچہ گفتم
ز دیں بگریز و مرگے کافرے میر"

(مسلم لاہور - عید میلاد النبی نمبر - ص ۱۹)

خورشید احمد ایم اے اپنے مضمون "اقبال کا تصورِ شریعت" میں محبتِ رسول کو فکرِ اقبال کی اساس قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

"رسالت کی حقیقت اور اس کی نوعیت کے فہم کا لازمی تقاضا ہے کہ نبی سے حقیقی محبت کی جائے اور انسان کا رواں رواں اس کے عشق سے سرشار ہو۔"

(اقبال ریویو۔ کراچی۔ جولائی ۱۹۶۰ء۔ ص ۸۰)

ڈاکٹر امانت صدر شعبۂ اردو فارسی، واڈیا کالج، پونہ (بھارت)، اپنے مضمون "امام احمد رضا کی مذہبی شاعری" میں علامہ اقبال اور اعلیٰحضرت بریلوی ـــــ دونوں کے عشقِ مصطفیٰ کے متعلق خامہ فرسا ہوتے ہیں :

"نعت گو شعرا نے جس زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اس کا نمونہ زندگی کے گوناگوں مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبال کی مقصدی شاعری رفعتِ محمدی کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اقبال کا مردِ خودی، مردِ کامل، مردِ مومن، مردِ قلندر، عشق، عقل اور حکمت سب کچھ اُس ایک زندگی کی ترجمانی ہے۔ اقبال کی شاعری دراصل رسولِ کریم کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے جو منطقی، حکیمانہ، ادیبانہ اور شعری دلآویزیوں کے ساتھ نغمۂ حیات بن کر زندگی کا پیام پہنچا رہی ہے۔"

(سہ ماہی نوائے ادب بمبئی۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

یہ قول بڑی حد تک مجددِ اسلام (رضا بریلوی) کی نعتیہ شاعری پر بھی صادق آتا ہے۔ آپ کا شمار اُن بزرگ و برتر ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے قلوب عشقِ الٰہی اور محبتِ رسول سے لبریز و سرشار ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں : "بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر "لا الٰہ الا اللہ" اور دوسرے پر "محمد رسول اللہ" (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ (مجددِ اسلام۔ ص ۲۹-۳۰)

(المیزان بمبئی۔ امام احمد رضا نمبر۔ ص ۴۶۸)

مولانا احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی نعتیہ شاعری کے متعلق پروفیسر افتخار اعظمی کہتے ہیں :

"ان کا نعتیہ کلام اس پائے کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیئے۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اُن کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں۔ بلکہ بے ساختگی ہے کیونکہ رسولِ پاک سے انہیں بے پناہ

محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ ساتھ خلوصِ جذبات کا آئینہ دار ہے"۔

(عاشقِ رسول از ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص)

ڈاکٹر سید عبداللہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے عشقِ سرکار کے بارے میں فرماتے ہیں :

" وہ بلاشبہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسرِ قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بھی بلند تر اُن کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشقِ رسول کا۔ یہ عشقِ رسول کا فیضان تھا کہ ان کے اجتہاد میں سوز و گداز، ان کی نظر میں حیا، ان کی عقل میں سلامتی اور ان کے اجتہاد میں ثقاہت و اصابت اور ان کی زبان میں تاثیر اور ان کی شخصیت میں اثر و نفوذ تھا۔ وہ جو کہتے تھے، کرتے تھے اور جو کرتے تھے اس میں عشقِ رسول کی جھلکیاں صاف نظر آتیں۔ یہ عشقِ رسول تھا، جس نے انہیں سنتِ حسنہ کے احیا میں عمر بھر سرگرمِ عمل رکھا۔"

(پیغاماتِ یوم رضا۔ ص ۳۵)

نیاز فتح پوری نے کہا ——

"میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام میں پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے، وہ مولانا کے بے پناہ وابستگیٔ رسولِ عربی کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بیکراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔"

(ترجمانِ اہلسنت کراچی۔ نومبر دسمبر ۷۵۔ ص ۲۹)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اس عاشقِ رسول کے بارے میں اپنے مضمون "اردو شاعری اور تصوف" میں کہتے ہیں :

"اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشقِ رسول یعنی مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر بھی کر دیا جائے، جس سے ہمارے ادبا نے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے حالانکہ یہ غالباً واحد عالمِ دین ہیں، جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں اُردو کے بے شمار محاورات استعمال کئے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔"

(فکر و نظر اسلام آباد۔ جنوری ۱۹۷۶ء۔ ص ۵۲۸)

جسٹس شمیم حسین قادری نے فاضل بریلوی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا :

" وہ عاشقِ رسول تھے اور عشقِ رسول کا ذوق ملک میں عام کرنے کی ضرورت ہے سرورِ کائنات کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔"

(مقالاتِ یوم رضا حصہ دوم۔ ص ۱۸)

پیر محمد کرم شاہ بھیروی ایم اے فاضل الازہر کہتے ہیں :

" آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ ذکرِ خدا اور یادِ مصطفیٰ علیہ اجمل التحیۃ والثنا سے معمور ہے .... جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشقِ مصطفیٰ بن کر رہ گیا۔ یہی آپ کا ایمان تھا کہ حُبِّ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جانِ ایمان اور رُوحِ دین ہے۔ اسی کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صَرف کر دی، اسی کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کر دیں۔"

(مقالاتِ یوم رضا، حصہ دوم ص ۲۲)

المیزان بمبئی کے ضخیم "امام احمد رضا نمبر" میں بہت سے دانش ور، اہلِ علم، ادیب اور نقاد حضرات نے اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جذباتِ عشق و محبت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چند آرا پیش کی جاتی ہیں :

ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی (علی گڑھ یونیورسٹی)

"آپ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہے لیکن ہر جگہ حدودِ شرعی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔" (ص ۵۶۴)

سیّد شمس الضحیٰ (پرنسپل اورینٹل کالج غازی پور)

"آپ کے سینے میں جو سب سے بڑا خزانہ تھا، وہ عشقِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی انمول دولت تھی۔ آپ کے انگ انگ سے عشق و محبت کا چشمہ پھوٹا پڑتا تھا۔" (ص ۲۸۵)

پروفیسر مختار الدین احمد (ڈین فیکلٹی آف آرٹس، مسلم یونیورسٹی۔ علیگڑھ)

"سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے امام احمد رضا کی محبت بلکہ عشق مشہورِ زمانہ ہے، یہ سطور پڑھیے، "خبردار! جالی شریف کو ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ ہو جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بُلایا، اپنے مواجہ شریف میں جگہ بخشی۔" (ص ۳۳۶)

سیّد محمد قائم قتیلؔ داناپوری ایم اے (فاضلِ توریت و انجیل۔ داناپور)

"نعتیہ شاعری میں جن نازک مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر! آپ قدم پھونک پھونک کر ان راہوں سے نہایت کامیاب گزرے" (ص ۳۵۵)

حیدر خان پٹھان (ایڈووکیٹ بمبئی ہائیکورٹ)

"عشقِ رسول اسلامی تہذیب کا زریں پہلو ہے اور امام احمد رضا نے اپنے قلم کے ذریعے عشقِ رسول کے محاسن عوام الناس کے سامنے رکھے تاکہ وہ احکامِ دین کی روشنی میں حُبِّ رسول سے سرشار ملت قوم کی خدمت کر سکیں" (ص ۴۱۵)

ڈاکٹر حامد علی خاں (علیگڑھ یونیورسٹی)

"یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ علامہ رضا عشقِ رسول میں مستغرق و سرشار تھے"

(ص ۴۴۵)

سیّد ایوب اشرف ایم اے ایل ایل بی (لکھنؤ)

"اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ مصطفےٰ میں کی گئی گستاخیوں کے خلاف شرعی فیصلہ صادر کیا۔ اس طرح نہ صرف پوری مسلم قوم کو انتشار سے بچایا بلکہ غداران رسول کی ریشہ دوانیوں سے ملتِ اسلامیہ کو محفوظ کر لیا" (ص ۴۱۱)

سیّد حسن مثنّیٰ انور (ایم اے علیگ)

"اسلام کُش اثرات کی روک تھام کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی، جس کو علوم عقلی و نقلی دونوں میں پوری بصیرت اور دستگاہ ہو اور وہ تمام علوم و فنون میں بالغ نظری کے مقام پر فائز ہو۔ تفقہ فی الدین میں جو ائمہ متقدمین کی یاد دلائے اور جس کا علمِ کلام ایک جانب اگر توحید کی نقاب کشائی کرے تو دوسری جانب فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارفتگی اور اختیار و اقتدار کا پرچم لہرائے۔" (ص ۲۵۱)

سیّد آلِ رسول حسنین قادری (ایم اے)

"سلام اس پر کہ جسے اللہ عز و جل نے محض اسلام کی حمایت اور دین کی تجدید کے لئے پیدا فرمایا۔ جس نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی، جس نے عمر بھر دین کے رہزنوں اور ایمان کے ڈاکوؤں سے مقابلہ فرمایا۔" (ص ۲۳۵)

ڈاکٹر وحید اشرف (بڑودہ یونیورسٹی)

"امام احمد رضا نے عرب کے چمنستان کی بہار، عرب کے گل و ریحان، عرب کے بیابان کے خار اور عرب کے کوچوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ ذکر رسمی اور قیاسی

نہیں بلکہ اس ذکر میں صداقت کا اُجالا موجود ہے۔" (ص ۴۶۴)

ڈاکٹر امانت (واڈیا کالج۔ پونہ)

"آپ کی حیاتِ مقدسہ کا ایک ایک لمحہ سرورِ دو عالم کے عشق و محبت میں بسر ہوتا رہا۔ محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک تو براہِ راست محبوب کی مدح سرائی، دوسرے محبوب کے محبوب کی تعریف و توصیف اور تیسرے محبوب کے بدخواہوں اور دشمنوں کی مذمت۔ آپ نے اپنے عشق و محبت اور احترام و رضائے محبوب کی خاطر تینوں طریقے اختیار کئے۔" (ص ۴۶۸)

اعجاز مدنی ایم اے ڈیپ، ایل ٹی بی سائنس (بمبئی)

"امام احمد رضا ان گنے چنے صاحبِ علم و فضل میں تھے جن پر پروردگارِ عالم نے اپنے رسولِ محترم و مکرم کے صدقے اپنی عنایات و مہربانی، عزت و منفعت تمام کی تھی۔" (ص ۲۱۷)

سید شمیم اشرف بی اے علیگ

"ان کی شاعری میں الہام کی حلاوت ہے، تفہیم و افہام کی تلخی نہیں۔ وہ شمعِ جمالِ مصطفوی پر پروانہ وار گرتے ہیں۔ ان کا سینہ عشقِ رسول کا بحرِ ذخار ہے۔

کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو"

(ص ۴۷۷)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور (لکھنؤ یونیورسٹی)

"مجددِ اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب اگر ایک طرف تبحرِ علمی،

زہد و تقویٰ اور روحانی تصرفات کا معیاری نمونہ تھے تو دوسری طرف رسولِ اکرم سے اُن کی بے پناہ عقیدت و محبت مثالی تھی" (ص ۴۷۹)

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق داناپوری (جین کالج آرہ)

"حضرتِ رضا نے اپنی نعت نویسی کے لئے قرآن و حدیث کو ہی شمعِ راہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نعتیہ کلام افراط و تفریط کے عیب اور تخیل کی بے راہروی سے پاک ہے۔" (ص ۴۸۱)

شاہد رضا اشرفی ایم اے

"امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری رضائے رسول اور حبِ نبوی کے اکتساب کا ایک مقدس انداز ہے اور یہی رضا و محبت اسلام میں تکمیلِ ایمان کا وہ معیار ہے، جہاں انسان حیات کی اس منزل پر ہوتا ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے:

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے (ص ۵۰۸)

ڈاکٹر نسیم قریشی (علیگڑھ یونیورسٹی)

"حضرتِ رضا کے حصے میں کہ وہ مقبولینِ بارگاہِ الٰہی اور نظر کردگانِ رسالت پناہی کے اس محبوب زمرہ میں ایک مقام خاص رکھتے تھے، ایسا بلند مقام بلاکہ انہیں حسان الہند کے مبارک لقب سے یاد کئے بغیر ان کے بے پناہ جذبۂ عشقِ رسول، ان کی وجد آفریں نعت گوئی کے ساتھ انصاف نہیں ہوسکتا۔" (ص ۵۴۹)

حُسنِ تربیت کا فیضان

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں اور علامہ اقبال، دونوں عبقریوں کی تربیت ایسے

ہاتھوں میں ہوئی تھی کہ ان کے خمیر میں عشقِ مصطفوی کا رچاؤ لازمی تھا۔ جب والدین کسی نعمت سے بدرجۂ اتم بہرہ ور ہوں اور اس صلاحیت سے بھی بہرہ مند ہوں کہ حسنِ ترب[یت] سے وہ نعمت اپنی اولاد تک منتقل کر سکیں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ خوبی اولاد کی رگ رگ میں رچ بس جائے، اس کا حاصلِ حیات بن جائے۔ شاہ احمد رضا کے جدِّ امجد مولا[نا] رضا علی خان قدس سرہٗ مشہورِ زمانہ عالمِ دین تھے۔ بقول مولانا رحمان علی خان مؤلف تذکرۂ علمائے ہ[ند] موصوف خصوصاً علمِ فقہ و تصوف میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ (ص ۶۴)

اعلیٰ حضرت کے والدِ ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ "زبردست عالم، کامل عار[ف] اور مناظر بے نظیر تھے۔ اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی۔"

(شاہ احمد رضا خان بریلوی از مفتی محمد غلام سرور قادری ایم اے۔ ص ۲۴)

مولانا نقی علی خان "دقیقہ شناس معقولات و منقولات اور محرمِ اسرارِ احادیث و آیات تھے (تین مقالے از حافظ عبدالستار نظامی ص ۲) بقول اعلیحضرت علیہ الرحمۃ، ان کے والدِ گرامی کی خصوصیت یہ تھی۔

"اس ذاتِ گرامی کو خالق عزوجل نے حضرت سلطانِ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی غلامی و خدمت اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعدا پر غلظت و شدت کے لئے بنایا تھا۔"

(جواھر البیان فی اسرار الارکان بحوالہ یادِ اعلیحضرت
از مولانا عبدالحکیم شرف قادری۔ ص ۱۲)

مشہور محقق عالم، ادیب اور شاعر قاضی عبدالنبی کوکب مرحوم نے اپنے مضمون "حبِ پیغمبر کی دنیائے جمیل" میں مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ کے عشقِ رسول [کا] ایک واقعہ نقل کیا ہے:

"مولانا احمد رضا کے والدِ ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ ایک

مرتبہ سخت بیمار ہو گئے۔ حج کے دن تھے، رات خواب میں سفرِ حج کا کچھ اشارہ ہوا۔ صبح اٹھ کر تیاری شروع کر دی۔ عرض کیا گیا" اس ضعفِ مرض میں سفر کیونکر ہو سکے گا۔ اگلے سال پر رہنے دیجئے۔" فرمایا۔ "مجھے ایک بار قصدِ مدینہ سے پاؤں دروازے سے باہر رکھنے دو، پھر خواہ روح اسی وقت پرواز کر جائے۔" چنانچہ تشریف لے گئے اور حج و زیارت کے جملہ ارکان ایک تندرست و تنومند انسان کی طرح ادا کیے۔"

(مقالاتِ یومِ رضا، حصہ اول۔ ص ۸۵)

اسی طرح علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ کے والد محترم شیخ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے عشقِ مصطفےٰ کی کیفیت کا ایک واقعہ علامہ اقبال کے حوالے سے فقیر سید وحیدالدین نے یوں تحریر کیا ہے:

"مثنوی رموزِ بے خودی میں علامہ نے اپنے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک سائل بھیک مانگتا اور صدا لگاتا ہوا اُن کے دروازے پر آیا یہ گدائے مبرم یعنی اڑیل فقیر تھا۔ دروازے سے ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اس کے بار بار چیخ چیخ کر صدا لگانے پر علامہ اقبال نے طیش میں آکر اُسے مارا۔ علامہ کے والد اس حرکت پر بہت آزردہ اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور دل گرفتہ ہو کر بیٹے سے کہا کہ قیامت کے دن جب خیر الرسل کی اُمت سرکار کے حضور جمع ہو گی تو یہ گدائے دردمند تمہارے اس برتاؤ کے خلاف حضورِ رسالت مآب سے فریاد کرے گا۔ اُس وقت

اے صراطت مشکل از بے مرکبی
من چہ گویم چوں مرا پرسد نبی

"حق جوانے مسلمے با تو سپرد
کو نصیبے از دبستانے نبرد
از تو ایں یک کار آساں ہم نہ شد
یعنی آں انبارِ گل آدم نہ شد"
در ملامت نرم گفتار آں کریم
من رہینِ خجلت و امید و بیم
اندکے اندیش و یاد آر اے پسر
اجتماعِ امتِ خیر البشر
باز ایں ریشِ سفیدِ من نگر
لرزۂ بیم و امیدِ من نگر
بر پدر ایں جورِ نازیبا مکن
پیشِ مولا بندہ را رسوا مکن"

(روزگارِ فقیر جلد دوم - ص ۱۵۲)

علامہ کے والد ماجد اپنی ریشِ سفید کا واسطہ دے کر بیٹے کو کہتے ہیں کہ مجھے میرے آقا و مولا کے حضور رُسوا نہ کرو۔ فقیر وحیدالدین لکھتے ہیں کہ شیخ نور محمد علیہ الرحمۃ کے حسن تربیت کا یہ اعجاز تھا کہ جب علامہ اقبال قرآن کی آیت اور حدیثِ رسول سنتے تھے تو فوراً "گردن بہ طاعت نہادن" کی تصویر بن جاتے تھے۔

فقیر سید وحیدالدین علامہ اقبال کے والدِ گرامی کے عشقِ رسول کے متعلق ایک اور واقعہ قلمبند کرتے ہیں:

"علامہ اقبال کی بہن بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ خاص طور سے اولیاء اللہ کی کرامات اور خرقِ عادت کی کتابیں بڑے ذوق و شوق سے پڑھتیں۔

انہوں نے ایک دن شیخ اعجاز احمد سے کہا کہ میاں جی کو "اسم اعظم" معلوم ہے جسے وہ بھائی صاحب (علامہ اقبال) کو بتا چکے ہیں ..... (جب حضرت شیخ صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا) قبولیت دعا کا ایک نسخہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر دعا سے قبل اور بعد حضور سرورِ کائنات پر درود بھیجیں کیونکہ درود سے بڑھ کر اور کوئی اسم اعظم نہیں۔"

(روزگارِ فقیر۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۷)

پیشہ مرا شاعری، نہ دعویٰ مجھ کو

علامہ اقبال اور رضا بریلوی (رحمہم اللہ تعالےٰ) دونوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا اور نہ اسے پسند کیا کہ لوگ انہیں شاعر سمجھیں۔ علامہ اقبال اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی دیتے ہیں کہ

یارسول اللہ! ملاحظہ فرمایئے، لوگ مجھے غزل خواں قرار دیتے ہیں۔

من اے میرِ اُمم! داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

اسی طرح اعلیحضرت علیہ الرحمۃ بھی شاعری کے دعوے سے گریزاں ہیں۔ فرماتے ہیں:

پیشہ مرا شاعری، نہ دعوےٰ مجھ کو
ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کے خلاف
لوزینہ میں سیر نہ بھایا مجھ کو

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مچھیا کالج بہار) اپنے مضمون "امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری

پر ایک نظر" میں لکھتے ہیں :

"حدائقِ بخشش (رضا بریلوی کا مجموعۂ کلام) میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملے گا' جو کتاب و سنت سے متصادم اور احکام شریعت سے مزاحم ہو۔ اعلیٰ حضرت نے کبھی شعر گوئی کو مقصود بالذات نہیں سمجھا' مقصودِ حیات مدّاحیٔ سرکار تھا۔ انہوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی ہے بلکہ شاعری بطورِ عبادت کی ہے"۔

(المیزان بمبئی۔ امام احمد رضا نمبر ص ۴۸۶)

اقبال و رضا کا تعلّق

اگرچہ علامہ اقبال اور شاہ احمد رضا اپنے الگ الگ میدانوں میں تمام عمر سرگرمِ کار رہے لیکن عشقِ مصطفےٰ کا رشتہ تو ناقابلِ شکست ہے۔ اور اس کا مفصّل ذکر مقالے میں آئے گا۔ قارئین کرام یہ دیکھیں کہ علامہ اقبال مجدد مأۃ حاضرہ شاہ احمد رضا خاں کے بارے میں کیا خیالات رکھتے تھے۔ ڈاکٹر عابد احمد علی ایم اے (علیگ)، ڈی فل (آکسفورڈ) لکھتے ہیں :

"ایک بار استاذ محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا"۔ (مقالاتِ یوم رضا۔ حصہ سوم۔ ص ۱۰)

جناب عابد نظامی اپنے مضمون "مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی" میں لکھتے ہیں :

"علامہ اقبال نے شروع میں جو نعتیں لکھیں' ان میں مولانا (احمد رضا) کی نعتوں کا اثر صاف جھلکتا ہے۔"

(مقالاتِ یوم رضا حصہ اول۔ ص ۱۱۸)

حکیم الامت علامہ اقبال امام احمد رضا سے کتنے متاثر تھے' اس کی ایک مثال یہ ہے۔

"غالباً ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ تھا۔ علامہ اقبال اس جلسے کے صدر تھے۔ جلسے میں کسی خوش الحان نعت خواں نے مولانا احمد رضا صاحب کی ایک نظم شروع کر دی۔ جس کا ایک مصرع یہ تھا :

رضائے خدا اور رضائے محمد

نظم کے بعد علامہ اقبال اپنی صدارتی تقریر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ارتجالاً ذیل کے دو شعر ارشاد فرمائے :

تماشہ تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد
تعجب تو یہ ہے کہ فردوسِ اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد

(نوادرِ اقبال۔ سرسید بکڈپو علی گڑھ۔ ص ۲۵)

محشر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے کا احساس

ان دونوں عاشقانِ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگیوں کا سب سے بڑا مسئلہ اس حقیقت کو قرار دیا ہے کہ روزِ محشر سرکارِ دوجہاں کے حضور حاضری ہوگی۔

وہ چاہتے ہیں کہ وہاں بھی سرکار کی نظروں میں رسوا نہ ہو جائیں، حضور ہمیں اپنا ماننے سے انکار نہ کر دیں۔ ہم یوم النشور کو آقا و مولا کے نام لیوا تسلیم کر لئے جائیں گے تو بات بنے گی۔ اس تصور میں علامہ اقبال اپنے دفترِ عصیاں کو خدا کے سامنے پیش کرنے سے تو نہیں ہچکچاتے مگر حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس حالت میں پیش ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ گناہوں کا پشتارا ساتھ ہو۔ چنانچہ خداوندِ کریم سے التجا کرتے ہیں کہ اگر فردِ عمل کو دیکھنا ناگزیر ہے تو وہ خود دیکھ لے اور بازپرس بھی کر لے۔ مگر سرکارِ دو عالم کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھے۔

تو غنی از ہر دو عالم، من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

علامہ اقبال اسلام کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے، قرآنِ پاک کے موضوعات پر کام کرنا چاہتے تھے اور اس سب کچھ سے ان کا منشا حضورِ پُر نور کی خوشنودی تھا۔ سید راس مسعود کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں تاکہ (قیامت کے دن) آپ کے جدِ امجد (حضور نبی کریم) کی زیارت مجھے اس اطمینانِ خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضور نے ہم تک پہنچایا، کوئی خدمت بجا لا سکا۔"

(اقبال نامہ، حصہ اوّل۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۳۶)

امام احمد رضا تمام عمر دینِ متین کی تبلیغ کرتے رہے، اپنے آقا و مولا کی رفعتِ ذکر کے نام لیوا رہے، شریعت پر عامل رہے لیکن اپنے آپ کو جنت کا مستحق اس بنا پر سمجھتے

ہیں کہ سرکار شافع ہیں، رحیم و رؤف ہیں، اپنے بندے کو "دار و گیر" کے خوف سے نجات دلائیں گے۔ رضا بریلوی کا ایمان اس معاملے میں کتنا پختہ ہے، حضور کے کرم پر ان کا اعتقاد کتنا مخلصانہ اور والہانہ ہے، مندرجہ ذیل نعتیہ نظم اس کا مظہر ہے۔

بے بسی ہو جو مجھے پرسشِ اعمال کے وقت
دوستو کیا کہوں، اس وقت تمنا کیا ہے

— — — — — — —

کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو، یہ کیا شور ہے، غوغا کیا ہے
کون آفت زدہ ہے، کس پہ بلا ٹوٹی ہے
کس مصیبت میں گرفتار ہے، صدمہ کیا ہے

— — — — — — —

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے، بتا تو نے کیا کیا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رسل!
بندہ بے کس ہے شہا، رحم میں وقفہ کیا ہے

— — — — — — —

سن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے
ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں، اب مجھے پروا کیا ہے

— — — — — — —

دونوں عشاق کا دربارِ رسول میں مقام

اعلیٰ حضرت بریلوی اور علامہ اقبال کی محبت کی پذیرائی سرکار نے یوں فرمائی کہ دونوں کو دربار میں مقام خاص عنایت ہوا۔ فقیر سید وحید الدین نے علامہ اقبال کے بھائی شیخ اعجاز احمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں کشمیر کے ایک پیرزادے علامہ سے ملنے آئے اور بتایا کہ:

"میں نے ایک دن عالمِ کشف میں نبی کریم کا دربار دیکھا۔ صفِ نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو حضور سرورِ کائنات نے دریافت فرمایا کہ محمد اقبال آیا کہ نہیں؟ معلوم ہوا کہ محفل میں نہ تھا اس پر ایک بزرگ کو اقبال کے بلانے کے لیے بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آدمی جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی اور رنگ گورا تھا' ان بزرگ کے ساتھ نمازیوں کی صف میں داخل ہو کر حضور کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا ....

اس کشمیری پیرزادے نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے آج سے پہلے نہ تو آپ کی شکل دیکھی تھی اور نہ میں آپ کا نام اور پتا جانتا ہوں ....."

(روزگارِ فقیر۔ جلد دوم۔ ص ۱۷۲)

اسی طرح مولانا احمد رضا بریلوی کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد لکھتے ہیں:

"ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے' انہوں نے بتایا کہ مجھے ۲۵ صفر ۴۰ھ کو خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں' صحابہ کرام حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی کا انتظار ہے۔

میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی' فداک ابی و امی! کس کا انتظار ہے۔ سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ احمد رضا خاں کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کی' احمد رضا خاں کون ہے؟ حضور نے فرمایا! ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا' مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقیدِ حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جب بریلی پہنچا تو معلوم ہوا' ٹھیک اسی روز (۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ) ان کا انتقال ہو گیا۔"

(سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا۔ ص ۲۹۲)

کلام میں ارشاداتِ قرآن و احادیث کا عکس

مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی اور حکیم الامت علامہ اقبال نے شہنشاہِ دارین کی تعریف و ثنا کو اختیار کیا۔ ان دونوں حضرات نے یہ روش خداوندِ تعالےٰ کے حکم اور عمل کی تعمیل میں اختیار کی تھی۔ اس لیے دونوں نے قرآن کریم سے مکمل طور پہ استفادہ کیا۔ اعلیٰ حضرت کا دعوےٰ ہے:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

علامہ نے بھی اس شخصیت کی تعریف و ثنا کی' جس کے بغیر نہ خدا کی ربوبیت کا اظہار ہوتا' نہ قرآن نازل ہوتا' نہ فروغ وادیٔ سینا کا ذکر چھڑتا۔

وہ دانائے سُبل' ختم الرسل' مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

کلامِ رضا کا اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو کوئی بات ایسی نہیں ملتی جو اس دائرے سے باہر ہو۔ ان کی ایک مشہور نعت کا شعر ہے:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا، ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

قرآنِ پاک میں محبوب کے شہر کی قسم اس طرح کھائی گئی۔

لَآ اُقسِمُ بِھٰذَا البَلَدِ وَ اَنتَ حِلٌّ بِھٰذَا البَلَدِ

(مجھے اس شہر مکہ کی قسم ہے، اس لیے کہ اے محبوب تُو اس شہر میں تشریف فرما ہے)

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

کلامِ محبوب کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

وَقِیلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَومٌ لَّا یُؤمِنُونَ

(مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب، یہ لوگ ایمان نہیں لاتے)

اور بقائے حبیب کی سوگند ان الفاظ میں کھائی:

لَعَمرُكَ اِنَّھُم لَفِی سَكرَتِھِم یَعمَھُونَ۔

(اے محبوب تیری جان کی قسم، یہ کافر اپنے نشے میں اندھے ہو رہے ہیں)

اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے کو جو کچھ عنایت فرمانا تھا، عطا کر دیا

خدا کی عطا پر ہم آج کچھ گفتگو کریں تو ظاہر ہے، نامناسب ہے۔ کیونکہ اگر خدا کو بتانا ہوتا کہ کیا دیا اور کیا نہیں دیا تو وضاحت کر دیتا۔ اس نے تو فرمایا

فَاَوحٰٓی اِلٰی عَبدِهٖ مَآ اَوحٰی

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بُو سے بھی محرم نہیں

اعلیٰ حضرت فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنٰی کی تشریح فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو، تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

علامہ اقبال کا رنگِ کلام ملاحظہ ہو:

رنگِ اَو اَدنیٰ میں رنگیں ہو کے اے ذوقِ طلب
کوئی کہتا تھا کہ لطفِ مَا خَلَقنَا اور ہے

حضور سرورِ کائنات نے فرمایا:

"لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه نبی مرسل ولا ملک مقرب"

یعنی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ میں خدا کے ساتھ تنہا ہوتا ہوں، اس وقت نہ کوئی مرسل وہاں آسکتا ہے اور نہ کوئی فرشتہ مقرب۔ علامہ اقبال پر اس حدیثِ پاک کا اتنا گہرا اثر ہوا تھا کہ انہوں نے "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" (اپنے مشہور لیکچروں) میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثنوی اسرارِ خودی میں کہتے ہیں:

تو کہ از وصلِ زماں آگہ نہٖ
از حیاتِ جاوداں آگہ نہٖ
تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمزِ وقت از لی مع اللہ یاد گیر

علامہ نے اس حدیث مبارکہ کا ذکرِ پاک "جاوید نامہ" میں بھی کیا ہے۔ زروان (وقت) کہتا ہے (انعام اللہ خاں ناصر نے ان اشعار کا ترجمہ یوں کیا ہے)

لی مع اللہ جس کے دل میں بس گیا
اس نے میرے سحر کو باطل کیا
چاہتا ہے تُو اگر مجھ سے اماں
لی مع اللہ کو بنا وردِ زباں
لی مع اللہ ہے نہ جانے سحر کیا
میری نظروں سے یہ عالم چھپ گیا

رضا بریلوی اس حدیث کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

نبی سرورِ ہر رسول وولی ہے　　نبی رازدارِ مع اللہ لی ہے

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جس کو خدا پڑھنا سکھائے، اس کو کسی استاذ کا منت کش ہونے کی کیا حاجت ہے۔

ایسا اُمّی کس لیے منت کشِ استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اقرأ وربک الاکرم نہیں

سرکار نے فرمایا کہ جس نے میری تربت کی زیارت کی، اس پہ میری شفاعت واجب ہو گئی۔ اس نوید پہ رضا بریلوی درودوں کی سوغات پیش کرتے ہیں۔

مَن زارَ تُربَتِی، وَجَبَت لَہ شفاعتی
ان پر درود جن سے نوید ان بشریٰ ہے

حضور کا ارشاد ہے: اَنَا قاسم واللہ یعطی۔ خدا عطا کرتا ہے میں بانٹتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کے کلام میں اس حدیثِ پاک کا عکس اور اس کا انطباق ملاحظہ فرمایئے:

خلق کے حاکم ہو تم، رزق کے قاسم ہو تم
تم سے ملا جو ملا۔ تم پہ کروروں درود

اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضور کو بالمومنین رؤف رحیم فرمایا اور سرکار کو حکم دیا کہ سائلوں کو نہ جھڑکیں۔ رضا بریلوی کہتے ہیں:

مومن ہوں، مومنوں پہ رؤف و رحیم ہو
سائل ہوں، سائلوں کو خوشی لاَ تَنھَر کی ہے

خداوند کریم نے حضور کے بابرکت وجود کے باعث مسلمانوں کو عذاب نہ ملنے کی بشارت دی ہے۔ فلا یعذ بھو وانت فیھو

انت فیھم نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

علامہ اقبال نے قرآن و احادیث کے ارشادات کو اپنی رگ و جاں میں سمویا ہے اور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث کو شعروں میں پیش کیا ہے۔ حضور نے فرمایا:

لا تسبوا الدھر وانا الدھر۔ زمانے کو برا نہ کہو، میں خود زمانہ ہوں۔ اقبال کہتے ہیں:

زندگی از دهر و دهر از زندگی ست

لا تسبوا الدهر فرمان نبی ست

سرکار نے روئے زمین کو مسلمانوں کے لئے مسجد قرار دیا، علامہ نے مثنوی "پس چہ باید کرد" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

مومناں را گفت آں سلطان دیں

مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں

آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کا ارشاد ہے کہ شیطان ہمیشہ جماعت سے دور رہتا ہے۔

حرز جاں کن گفتۂ خیر البشر

ہست شیطاں از جماعت دور تر

حدیث ہے کہ جنت ماؤں کے پاؤں تلے ہے۔

گفت آں مقصود حرف کن فکاں

زیر پائے اُمہات آمد جناں

سرکار دو عالم نے مزدور کو خدا کا دوست فرمایا، "اسرار و رموز" میں علامہ اقبال نے کہا:

آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رُفت

مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اقبال ہوں یا احمد رضا دونوں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو اپنی زندگی اور بقا کا ضامن سمجھتے ہیں۔ دونوں جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دو عالم

کو اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ یہی نام نامی وجہ تخلیق کائنات ہے، یہی نام مسلمانوں کے ایمان کی جان ہے۔ یہی نام ہے جو زبان پر جاری ہو، دل میں جاگزیں ہو، دماغ پہ پرتو فگن ہو تو ہمارا تشخص ہے، ہم ہیں —— ورنہ کچھ نہیں۔ "بانگ درا" میں اقبال کہتے ہیں۔

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

"جواب شکوہ" میں خداوند دو عالم بندۂ مومن کو مخاطب کر کے دھر میں اسم محمد سے اجالا کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے اس اسم مبارک کی یوں تعریف کرتا ہے:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو

چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو

بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے

بحر میں موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے

چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے

اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

اعلیٰ حضرت رضا بریلوی اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ورد اس انداز میں کرتے ہیں:

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ اندازِ وحدت کا

وہ نامی کہ نامِ خدا نام تیرا
رؤف و رحیم و علیم و علی ہے

دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر
محمد محمد خدائے محمد!

عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا

مجددِ اسلام اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کی زندگی کا تو تشخص ہی عشقِ رسول تھا۔ ان کے مخالف بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ کیوں نہ ہو، جنہوں نے عمر محبوبِ خدا کی تعریف کی، حضور کے معترضین کا جواب دیا، قرآن پاک کا ترجمہ کیا تفسیر کی تو حضور کی محبت ان کے شاملِ حال رہی۔ فقہ و حدیث کے موضوع پر اٹھایا تو عشقِ مصطفیٰ سے قلم اٹھانے کی ہمت طلب کی۔ وہ استراحت فرماتے تھے اس انداز میں لیٹتے تھے کہ محبوبِ پاک کا اسمِ گرامی "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جائے

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نام محبتِ رسول (علیہ السلام) میں مثال کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ دشمن بھی اس کے قائل ہیں۔ ان کے یہ اعتراضات ان کی کئی تصانیف اہلِ علم و دانش کی نظر سے گزر چکے ہیں ذرا یہ بھی دیکھئے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی زندگی اس پہلو سے ہمارے لیے کتنی واجب الاحترام ہے۔ غلام بھیک نیرنگ مضمون "اقبال کے بعض حالات" کے آخر میں رقم طراز ہیں۔

"اقبال کا قلبی تعلق حضور سرورِ کائنات کی ذات قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضور کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی اگرچہ وہ فوراً ضبط کر لیتے تھے۔ چونکہ میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا۔ اس لئے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص خاص لوگوں سے بطور راز ضرور کہا کہ یہ اگر حضور کے مرقدِ پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے، وہیں جاں بحق ہو جائیں گے۔ میرا اندازہ یہی تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔"

(اقبال لاہور۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء، ص ۳۰)

ظفر علی خاں نے اقبال کے متعلق کہا:

"اقبال پکا مسلمان اور سچا عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ وہ روتا ہے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق میں، وہ روتا ہے اسلام کی محبت میں۔"

(گفتارِ اقبال از: محمد رفیق افضل۔ ص ۴۷)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنے ایک مضمون "اقبال اور عشقِ رسول" میں لکھتے ہیں:

"مجھے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔ میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر بھی کہہ سکتا ہوں کہ جب کبھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی ان کی زبان پر آیا تو معاً ان کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ اقبال عشقِ رسول میں اس قدر ڈوب گئے تھے کہ جب عاشقانِ رسول کا تذکرہ کرتے، اس وقت بھی آبدیدہ ہو جاتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دن مرحوم علم الدین شہید (قاتلِ راجپال) کا ذکر چلا تو علامہ فرطِ عقیدت سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے: اسیں گلاں کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔"

(البصیر کراچی۔ مئی ۱۹۶۲ء، ص ۶۰)

اعلیٰ حضرت بریلوی کی قرآن فہمی پر بہت مفید کتابیں چھپ چکی ہیں۔ میرا موضوع یہ نہیں۔ میں صرف اس امر کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا تو اس میں بھی عشقِ مصطفیٰ کی اپنی خصوصیت سے کام لیا۔ انجمن خدام احمد رضا لاہور کے صدر صوفی محمد اکرم لے بی ایم اے اپنی تالیف "تعارف اعلیٰ حضرت" میں لکھتے ہیں:

"تیسویں پارے کی سورہ والضحیٰ کی آیت "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" کا ترجمہ علماء نے یوں کیا ہے:

مولوی محمود حسن صاحب	اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی
مولوی اشرف علی تھانوی صاحب	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو آپ کو (شریعت کا) راستہ دکھلایا۔
مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب	اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت کی۔
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ	اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

پہلے تینوں ترجموں میں الفاظ بھٹکتا، بے خبر، ناواقف محلِ نظر ہیں۔ اردو زبان کی سب سے بڑی لغات "جامع اللغات" میں اس لفظ کے معنی یہ لکھے ہیں۔ گمراہ ہونا۔ آوارہ پھرنا جب کہ خدا کا ارشاد ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (پ ۲۷ ع ۵)

یعنی تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے

پھر ان مترجمین کا یہ لکھنا کہ ہم نے تجھے بھٹکتا یا بے خبر یا ناواقف پایا کس قدر دل آزار ہے۔ ان مترجمین نے ایک لفظی معنی کے پیچھے پڑ کر یہ نہ سوچا کہ ادنیٰ لوگوں کے یہ قلم کس عظیم اور جلیل القدر ہستی کے متعلق کیا لکھنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے آیت زیرِ نظر کے ترجمے میں اپنی بے مثال لغت دانی اور حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ثبوت دیا ہے۔ (تعارف اعلیٰ حضرت - ص ۱۶)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک عشقِ مصطفیٰ میں وہ لذت ہے کہ وہ اس درد کی دوا کا تردد اپنے آپ پر ظلم سمجھتے ہیں۔

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

اگر وہ اسے سعادت سمجھتے ہیں کہ اس عظیم ہستی کے عاشق ہیں، نام لیوا ہیں، جس کو خدا بھی محبت کرتا ہے۔

جس کا حُسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے

تو اقبال کے نزدیک بھی مسلمانوں کے ہر قومی مرض کا واحد علاج عشقِ رسول میں پنہاں و مضمر ہے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کر دے

وہ کہتے ہیں کہ عشقِ مصطفیٰ ہی کے کرشمے ہیں کہ بلال حبشی (رضی اللہ عنہ) کا اسمِ گرامی آج بڑے بڑے باجبروت شہنشاہ، خدا کے سارے دوست اور اسلام کے سارے فرزند عزت و احترام سے لیتے ہیں:

اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہُوا، حبشی کو دوام ہے

اقبال کو یہ بھی احساس ہے کہ عشقِ نبی اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے حصول کے بعد کائنات کی ہر چیز مسخر ہو جاتی ہے اور عاشقِ رسول کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتی ہے۔ (جب خود خدا عاشقِ مصطفیٰ کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے تو ایسا کیوں نہ ہو)

شہیدِ عشقِ نبی ہوں، میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

اقبال کہتے ہیں:

"خوشا وہ دل جو عشقِ نبوی کا نشیمن ہو"

(انوارِ اقبال از بشیر احمد ڈار۔ ص ۳۵)

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

اقبال خدا کے حکم کی تعمیل میں سرکار کو والدین اور دیگر تمام مخلوق سے زیادہ محبوب سمجھتے ہیں اور ان کا سینہ حضور کے عشق کی آگ سے روشن اور ان کی روح آپ کے نور سے منور ہے:

تا مرا اُفتاد بر رویت نظر
از اب و اُم گشتۂ محبوب تر
عشق در من آتشے افروخت است
فرحتش بادا کہ جانم سوخت است

اقبال کے نزدیک حضور کے کسی عمل کی مُطلق تقلید بے معنی ہے۔ جب تک آقا کی محبت دل میں رچ بس نہ جائے، جسم و جان کو خدا و رسول کے حکم کی متابعت میں رکھ بے فائدہ ہے۔ سرکار نے کسی بھی کام کے متعلق ارشاد فرمایا، آپ اسے کرتے ہیں، حضور نے کوئی کام کیا، کسی کام سے مجتنب ہوئے، آپ بھی یہ کام کرتے ہیں، اس کام سے اجتناب برتتے ہیں لیکن آپ کا دل سرکار کی محبت سے خالی ہے تو آپ کا عمل بے معنی ہے، راندۂ درگاہِ ایزدی ہو جائے گا۔

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصلِ سُنّت جُز محبت ہیچ نیست

علامہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عشقِ نبی کی دولت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہے تو وہ صدیق و علی کا سوز خدا سے طلب کرے۔

سوزِ صدیق و علی از حق طلب
ذرۂ عشقِ نبی از حق طلب

اور سوزِ صدیق و علی کیا ہے، اس کی تشریح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پہلے ہی کر چکے ہیں۔ کہتے ہیں:

مولا علی نے واری تری نیند پر نماز!
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غُرر کی ہے
ہاں تُو نے اُن کو جان، انہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہُوا کہ جُملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے

رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے ایک شعر میں اثراتِ حسنِ یوسفی اور عشقِ مصطفیٰ کا تقابل عجیب انداز میں کیا ہے:

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

صدر الشریعہ علامہ امجد علی بہاری (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) کے صاحبزادہ علامہ

عبدالمصطفیٰ ازہری کہتے ہیں :

"اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ ایسے تقابل سے آیا ہے جس سے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت حضرت یوسف علیہ السلام پر ثابت ہوتی ہے :

۱۔ وہاں حُسن ، یہاں نام

۲۔ وہاں کٹنا عدمِ قصد پر دلالت کرتا ہے ، یہاں کٹانا قصد وارادہ بتاتا ہے۔

۳۔ وہاں مصر ، یہاں عرب کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کی سرکشی و خودسری مشہور تھی۔

احترامِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم)

جو شخص خداوندِ تبارک و تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے ، اس کے لئے رسُولوں کی تعظیم واجب ہے

وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

(اور میرے رسُولوں پر ایمان لاؤ اور اُن کی تعظیم کرو)

لیکن جب افضل الرسل ، امام الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کا ذکر ہو تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "انہیں پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے" اُن کی آواز سے اپنی آوازوں کو اُونچا نہ کرنے کی ہدایت موجود ہے ، سرکار کو "راعنا" کہنے کی اجازت نہیں ، "انظرنا" کہنے کا حکم ہے کیونکہ آقا کی نظرِ کرم ہی سے بات بنتی ہے حضور کی محبّت کو ماں باپ ، اولاد اور جان سے زیادہ اہمیت دینے کا نام ایمان ہے۔

تا مرا افتاد بر رویت نظر

از اب و ام گشتہ محبوب تر (اقبال)

اعلیٰ حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں :

ماں ، دونوں بھائی بیٹے ، بھتیجے ، عزیز دوست

سب تجھ کو سونپے ، ملک ہی سب تیرے گھر کی ہے

اسی طویل نعتیہ نظم میں ایک اور مقام پر کہتے ہیں :

میں خانہ زادِ کُہنہ ہوں ، صورت لکھی ہوئی

بندوں ، کنیزوں میں مرے مادر پدر کی ہے

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے قرآن پاک میں ان کے نام کے بجائے القابات سے یاد فرمایا ہے ، آج جانے کیوں اسلام کے نام لیواؤں میں کئی حضرات حضورِ اکرم کا اسمِ گرامی "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک بار ایک مسلمان نوجوان علامہ اقبال سے ملنے آیا ، وہ اپنی گفتگو میں بار بار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو "محمد صاحب" کہہ کر پکارتا ، علامہ کو اس سے بے حد رنج ہوا ، آنکھوں میں آنسو آگئے اور دیر تک یہی کیفیت رہی (مضمون رسالت مآب اور اقبال از پروفیسر رحیم بخش شاہین۔ فکر و نظر سیرت نمبر ۷۶ء ۷۷ء ص ۷۷)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں کہ پنجاب کے ایک رئیس نے قانونی مشورے کے لئے اقبال کو بلایا ، اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا ، اقبال نے ہر طرف عیش و تنعّم کے سامان دیکھے تو دل میں خیال آیا کہ "جس رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوتے ہیں ، اس نے بوریے پر سو سو کر زندگی گزاری تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی اور غسل خانے میں ایک چارپائی بچھوا کر اس پر سوئے"

(اقبال کی ایک تصویر ، از ابوالاعلیٰ مودودی۔ سیارہ ، اقبال نمبر ۱۹۶۳ء ص ۱۴۱)

۱۹۳۳ء میں ایک نوجوان نے کہا کہ "حضرت عمر فرماتے تھے کہ آنحضرت جب چلتے تو درخت تعظیم کے لئے جھک جاتے تھے" اس نوجوان کے خیال میں یہ واقعہ ناقابلِ توجیہ تھا۔

علامہ اقبال نے فرمایا "اگر تمہیں عمر کی آنکھ نصیب ہو تو تم بھی دیکھو گے کہ دنیا ان کے سامنے جھک رہی ہے" (حیاتِ اقبال کا ایک سبق مندرجہ مجلہ جوہرِ اقبال نمبر)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ بھی اسلام کے مبلغِ باعمل ہونے کے ناتے علامہ کے ہم خیال ہیں۔

اپنے مولا کی ہے بس شانِ عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

نقاشِ فطرت ایم اسلم اپنے ایک مضمون میں علامہ اقبال اور رضا بریلوی کے تتبع میں سرکار کا مجرد نام لینے والوں کی حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

"ہمارے ہاں سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے تفسیر قرآن شریف میں حضورِ اکرم کے لئے "جناب" کا لفظ استعمال کیا یعنی "جناب پیغمبر صاحب" لکھا۔ پھر مولوی (ڈپٹی) نذیر احمد خاں دہلوی نے آیاتِ قرآنی کی تفسیر کرتے ہوئے حضورِ اکرم کے لئے "صاحب" کا لفظ استعمال کیا، جیسے "پیغمبر صاحب نے کہا" پھر مولانا شبلی نعمانی نے سیرت پاک میں جگہ جگہ حضورِ اکرم کے لئے صرف "آپ" استعمال کیا ... افسوس کہ ہمارے دلوں سے اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احترام مٹ چکا ہے" (حضور کا احترام از ایم اسلم۔ ماہنامہ مرچنٹ لاہور۔ عید میلاد النبی نمبر ۱۹۷۴ء ص ۳۶، ۳۷)

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رضا بریلوی کا موقف یہ ہے کہ

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب
اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے

سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ السلام کا احترام اقبال و رضا کا ایمان تھا اس سلسلے

...رضا بریلوی اگر دمِ آخر اس وصیت کا اہتمام فرماتے ہیں کہ میری قبر کو اتنا کشادہ رکھنا کہ جب حضورِ پُرنور وہاں تشریف لائیں تو میں اُن کے احترام میں سروقد کھڑا ہو سکوں تو علامہ اقبال کا یہ حال ہے کہ جب ایک دفعہ انہیں مضطرب دیکھ کر حکیم احمد شجاع نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا "احمد شجاع! یہ سوچ کر میں اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے" خدا نے اس عاشقِ رسول کی اس تمنا اور دعا کو قبول فرمایا یعنی اقبال ۶۱ برس کی عمر میں فوت ہوئے (روزگارِ فقیر، جلد دوم۔ ص ۷۲)

اصل میں علامہ ایسے معاملات میں بزرگانِ دین کی سیرت کو سامنے رکھتے ہیں۔ لاہور میں عید میلاد النبی کے ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے حضرت بایزید بسطامی کا ... دیا کہ جو کچھ آقا کو پسند ہے اُن کی تقلید سے سرِ مو انحراف بھی احترامِ مصطفیٰ کے خلاف ہے۔ کہتے ہیں، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خربوزہ لایا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا تھا۔ مبادا میں ترکِ سنت کا مرتکب ہو جاؤں

کاملِ بسطام در تقلید فرد : اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد
(آثارِ اقبال مرتبہ غلام دستگیر رشید مطبوعہ حیدرآباد دکن ص ۳۰۸، ۳۰۹)

اور سرکارِ دوجہاں کے حضور رضا بریلوی ادب و احترام کا کس حد تک اہتمام کرتے تھے، یہ بھی سُنیے!

حضور اُن کے خلافِ ادب تھی بے تابی
مری امید تجھے آرمیدہ ہونا تھا!

توہینِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

ولید بن مغیرہ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی، (نعوذ باللہ) "نہیں مجنون" کہا تو خالق و مالکِ کائنات نے سورۂ القلم میں جہاں ولید کے دس عیب گنوا دیے، جن میں سے آخری "بعد ذالک زنیم" یعنی ولید کا تخم حرام ہونا ہے، وہاں اس کے ناک کے پر ایک واضح نشان لگا کر اس کو نشانۂ عبرت بنانے کا اعلان بھی فرما دیا۔ نیز سورۃ کوثر میں فرمایا:

انّ شانئک ھو الابتر

(بے شک جو تمہارا دشمن ہے، وہی ہر خیر سے محروم ہے)

—— تو پھر علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت خدا تعالیٰ کی اس سنت سے محروم ہونا کیوں پسند کرتے۔ انہوں نے بھی حضور کی توہین کرنے والوں کے خلاف آواز بلند کی، تمام عمر جہاد کیا۔ علامہ اقبال سید سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں استفسار کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی رُو سے توہینِ رسُول کی تعزیر کیا ہے؟ (اقبال نامہ حصہ اول مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۱۸۹، ۱۹۰) علامہ نے غازی علم الدین شہید کے معاملے میں "توہینِ رسُول" کی اہمیت پر ایک بیان میں کہا مسلمان اس ایجی ٹیشن سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اس سعی و کوشش پر مجھے نہ صرف ان سے ہمدردی ہے بلکہ میں ان کو بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں اور اس معاملہ میں کسی قسم کا تساہل روا رکھنے والے کو شقی ازلی تصور کرتا ہوں۔ (انقلاب۔ ۶ جولائی ۱۹۲۷ء)

۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء کو شاہی مسجد کے جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے توہینِ رسُول کے علاج کے لئے مسلمانوں کو اپنی ساری قوتیں جمع کرنے کی تلقین کی: "اصل مقصد توہینِ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھیں گے اور سب سے پہلے صرف اسی کے لئے جدّ و جُہد کریں گے۔ جدّ و جُہد سے پہلے اپنی تمام قوتیں

جمع کر لیں۔" (گفتارِ اقبال از محمد رفیق افضل۔ ص ۴۴)

اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی بھی حضور کے دشمنوں سے کسی قسم کی رو و رعایت کو کلی زندگی کے لئے سمِ قاتل سمجھتے ہیں، کہتے ہیں:

دشمنِ احمد پہ شدّت کیجیے
مُلحدوں سے کیا مروّت کیجیے

وہ اس سلسلے میں اپنے قلم سے خنجرِ خونخوار کا کام لیتے ہیں۔

کلکِ رضاؔ ہے خنجرِ خونخوار، برق بار
اعدا سے کہہ دو، خیر منائیں، نہ شر کریں

وہ رضاؔ کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

اعلیٰ حضرت بریلوی نے زندگی میں چند عبارات پر کُفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اوّلاً انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کی ہے۔ ثانیاً اس عبارت پر کہ اگر آنحضور کے بعد ہزاروں نبی پیدا ہو جائیں تو بھی آپ کی خاتمیت میں فرق نہیں آئے گا۔ ثالثاً اس اصرار پر کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ رابعاً شیطان اور ملک الموت کو ساری زمین کا علم رکھنے کے عقیدے پر اور خامساً اس بات پر کہ جتنا علم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، اتنا تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی ہے ۔۔۔۔۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے از روئے قرآن و حدیث زیادہ تر انہی لوگوں پر کُفر کا فتویٰ دیا ہے، جو حضور پُر نور علیہ السلام کی توہین کے مرتکب ہوئے اور پھر اس پر اصرار کیا۔

حضور کی عزت پر نثار ہونے کو اپنے لیے باعثِ فخر قرار دیتے ہوئے رضا بریلوی کہتے ہیں کہ کچھ لوگ مجھے فحش گالیاں دیتے ہیں، میری ذات پر حملے کرتے ہیں تو میں شکر کرتا ہوں

کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے، گالیاں دیتے، بُرا بھلا کہتے ہیں، اتنی دیر خدا و رسُول (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔" ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں اور نہ کچھ بُرا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لئے ہے بلکہ ان پر نثار ہونا بھی عزت ہے۔" (الملفوظ۔ جلد دوم۔ ص ۵۳)

علامہ اقبال کے عشقِ رسول کا لابُدی نتیجہ ہے کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا آپ کے ارشادات کے خلاف کوئی آواز اٹھتی ہے، علامہ وہاں اِبطالِ باطل کا فریضہ انجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ برِّصغیر کی سیاسی تاریخ میں مولانا حسین احمد مدنی نے جب یہ آواز بلند کی کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" تو علامہ نے مقامِ محمد عربی سے بے خبر ہونے پر اُن کی سخت گرفت کی اور فرمایا کہ اپنے آپ کو سرکار کے قدموں تک پہنچاؤ کہ دین وہی ہیں۔ بصورتِ دیگر تُم میں اور ابُولہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

آج کل کے متبعینِ حسین احمد کہتے ہیں کہ انہوں نے قوموں کو اوطان سے مشتق نہیں کہا تھا۔ آغا شورش کاشمیری مدیر چٹان نے ایک دفعہ طارت کی حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال سے خط و کتابت کو "خطبہائے مضامین" کے نام سے چھاپ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ علامہ نے ان کی وضاحت پر اپنا اعتراض واپس لے لیا تھا۔ اس سلسلے میں تمہیدی سطور میں شورش کاشمیری

اپنے مخصوص انداز میں رقمطراز ہیں:

"بعض عاقبت فروشوں نے اپنی جانی پہچانی مصلحتوں کے تحت مولانا حسین احمد مدنی سے یہ فقرہ منسوب کیا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کا اس جملے پر بے اختیار ہو جانا ایک قدرتی امر تھا۔ آپ نے چار شعر کہے جو ہر کہ ومہ کی نوکِ زبان ہو گئے۔" (چٹان۔ ۲۰ اپریل ۱۹۵۹ء۔ ص ۱۳)

آغا صاحب نے فرمایا کہ یہ فقرہ مولانا حسین احمد سے "بعض عاقبت فروشوں" نے منسوب کیا۔ حالانکہ اسی اشاعت میں وہ خود طالوت کے نام اپنے خط میں اس فقرے کی وضاحت کرتے ہیں، فقرے سے انکار نہیں کرتے۔ نیز ان کے ماننے والے پاکستانی اگر کسی مجبوری کے تحت اس موقف کے مُنکر بھی ہو گئے ہوں تو کیا کہا جا سکتا ہے مگر ان کے ہندوستانی نام لیوا پیچھے مقلدین اب بھی ان کے اس موقف کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ حسین احمد نے اپنا یہ موقف کبھی نہیں چھوڑا۔ عزیز الحسن صدیقی غازی پُوری اپنے ایک مضمون "ایک مردِ مومن و حق پرست کی مثالی زندگی" میں کہتے ہیں:

"حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ (حسین احمد مدنی) نے جب یہ فرمایا تھا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" تو اقبال مرحوم نے شدید تنقید ہی نہیں ان کی تذلیل بھی کی تھی اور اس خیال کی تردید میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ کاش مرحوم آج حیات ہوتے اور اس نظریہ کی بنیاد پر (اپنے) پاکستان کے دستور کی تدوین کا مال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تو انہیں یقین آجاتا کہ شیخ وقت اور امام ہند کی زبان سے نکلے ہُوئے الفاظ نقش بر آب یا بادِ ہوا نہیں تھے بلکہ ایک ایسی حقیقت تھے جس کو دُنیا نے تسلیم کر لیا۔"

(الجمعیۃ دہلی۔ ابوالکلام آزاد نمبر ۴ دسمبر ۱۹۵۸ء، ص ۱۳۲)

آغا شورش کاشمیری اپنی محولہ بالا تحریر میں علامہ اقبال کے موقف کو درست سمجھنے میں مصر ہیں کہ حسین احمد مدنی صاحب نے یہ فقرہ کہا ہی نہیں تھا ان کی اس بات کی تردید تو خود "خطبہ" مائے مضامین کے مندرجات ہی سے ہو جاتی ہے مگر اس سلسلے میں ایک اور واقعہ بے اہم ہے جو ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں :

۲۴ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو میں مشہور ماہرِ اقبالیات محمد عبداللہ قریشی سابق مدیر "ادبی دنیا" سے ملنے "فنون" کے دفتر گیا تو حسین احمد مدنی کے نام لیوا ——— جانباز مرزا وہاں موجود تھے۔ میری موجودگی میں انہوں نے قریشی صاحب سے طالوت کی حسین احمد اور اقبال کے ساتھ ہونے والی خط و کتابت کا ذکر کیا اور کہا کہ چودھری محمد حسین نے کسی سازش کے تحت علامہ کے "ز دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی ست" والے اشعار مجموعے میں شامل کر دیے ہیں حالانکہ جب آپس میں صفائی ہو گئی تھی تو ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جانباز مرزا اس مقصد کے لیے چودھری محمد حسین کے خلاف مواد اکٹھا کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ قریشی صاحب نے فرمایا کہ محمد حسین کے بارے میں ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کی کتاب "زندہ رود" میں بہت تفصیل ملتی ہے کہ انہوں نے کس طرح اقبال کی وصایا پر عمل کیا اور کس طرح وہ اقبال کے سچے دوست تھے ——— قریشی صاحب نے جانباز مرزا سے کہا کہ آپ کو چودھری محمد حسین سے یہ شکایت ہے کہ انہوں نے یہ اشعار مجموعے میں کیوں شامل کر دیے مگر اقبالیین کو اس بات کا افسوس ہے کہ اقبال نے جو اشعار طالوت سے خط و کتابت کے بعد حسین احمد مدنی صاحب کا بالکل اسی قسم کا نیا بیان آنے پر کہے تھے، وہ مجموعے میں کیوں شامل نہیں کیے گئے۔

واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے عبداللہ قریشی صاحب نے فرمایا کہ طالوت کی خط و کتابت کے بعد جو بیان حسین احمد مدنی صاحب نے دیا (اب جناب نفیس رقم صاحب اسے چھاپ بھی چکے ہیں)، اس کو پڑھ کر علامہ نے کہا تھا:

کسے کو پنجہ زد ملک و نسب را
نداند معنیٔ دینِ عرب را
اگر قوم از وطن بودے محمد
نہ دادے دعوتِ دیں بولہب را

قریشی صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ علامہ اقبال کے مجموعۂ کلام میں یہ اشعار شامل نہیں ہو سکے مگر میں انہیں باقیاتِ اقبال میں شامل کر رہا ہوں۔

اس گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جب حسین احمد نے اپنا غلط موقف تبدیل نہ کیا، تو اقبال کو حق کی راہ سے کون ہٹا سکتا تھا۔ وہ تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ رکھتے تھے۔

عیدِ میلاد النبی

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام (رضا بریلوی)

۱۹۲۶ء میں لاہور میں عید میلاد النبی کے جلسے کی صدارت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے جذبۂ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رکھنے کے تین طریقے بتائے۔ پہلا طریقہ درود و سلام ہے، جو مسلمان کی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ دوسرا طریق اجتماعی ہے کہ مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوں اور کوئی حضور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات بیان کرے اور ...... "تیسرا طریقہ اگرچہ مشکل ہے لیکن بہر حال اس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے، وہ طریقہ یہ ہے کہ یادِ رسول اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مقدس سے ہویدا تھی، وہ آج ہمارے قلوب

کے اندر پیدا ہو جائے" (آثارِ اقبال مرتبہ غلام دستگیر رشید - ص ۳۰۶ و صوفی پنڈی بہاؤ الدین، اکتوبر ۱۹۲۹ء و مقالاتِ اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی - ص ۱۹۶)

تمام مسلمانوں کی طرح اقبال واحمد رضا بھی حضور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُنیا پر تشریف آوری کی خوشی منانا ضروری خیال کرتے ہیں، یادِ رسُول کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بغیر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی موت سے بدتر ہے۔ رضا بریلوی جشنِ عید میلاد النبی کے بارے میں یُوں تر زبان ہیں:-

صبح طیبہ میں ہوئی، بٹتا ہے باڑا نُور کا
صدقہ لینے نُور کا آیا ہے تارا نُور کا
بارھویں کے چاند کا مُجرا ہے سجدہ نُور کا
بارہ بُرجوں سے جھکا ایک اک ستارا نُور کا

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولا کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکرِ آیاتِ ولادت کیجیے

علامہ اقبال عید میلاد النبی کی تقریبات شروع ہونے کی خبر پر اپنے ایک خط میں یوں اظہارِ مسرت کرتے ہیں:-

"مجھے اس اطلاع سے بے حد مسرت ہوئی کہ جنوبی ہندوستان میں یوم النبی کی تقریب کے لئے ایک ولولہ پیدا ہو گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے رسولِ اکرم کی ذاتِ اقدس ہی ہماری سب سے بڑی اور کارگر قوت ہو سکتی ہے" (اقبال نامہ حصہ دوم ص ۹۲-۹۳)

نُورِ مصطفٰے (علیہ التحیۃ والثناء)

رحمتِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہی وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ تمام کائنات آپ ہی کے نور سے قیمت پاتی ہے۔ اگر آپ کا وجود نہ ہوتا تو یہ کائنات ہی نہ ہوتی۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفٰے او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفٰی است (اقبال)

اقبال جہاں کائنات کے وجود کو حضور کے نور کا کرم جانتے ہیں، وہاں عرفانِ نفس کا باعث بھی اسی کو سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اس بت خانے میں اپنی نوائے صبح گاہی سے میں نے اک جہانِ عشق و مستی تعمیر کر لیا ہے۔

چو خود را در کنارِ خود کشیدم
بہ نُورِ تو مقامِ خویش دیدم
دریں دیر از نوائے صبح گاہی
جہانِ عشق و مستی آفریدم

اقبال کہتے ہیں کہ ضعیفی کے باوصف اگر سرکار کا نور میری آنکھوں کو منتشر کرے تو مجھے تابِ نظر حاصل ہو سکتی ہے۔

ہنوز ایں خاک دارائے شرر ہست
ہنوز ایں سینہ را آہِ سحر ہست
تجلّی ریز بر چشمم کہ بینی
باایں پیری مرا تابِ نظر ہست

اقبال کے نزدیک لَآ اِلٰہ کائنات کی بنیاد ہے، اس کا جوہر ہے۔ اسی سے سوز و سرور کا لطف ہے لیکن لا الٰہ کی مشکلات بے شمار ہیں، اسی لئے جب تک سلطانِ دارین کے نور سے اپنی نگاہ کو روشن نہ کیا جائے، لا الٰہ کی حقیقت اور کائنات کے اسرار و رموز تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

بنورِ تو بر افروزم نگہ را
کہ بینم اندرونِ مہر و مہ را
چو می گویم مسلمانم، بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

اسی طرح رضاؔ بریلوی بھی قرآن و احادیث کے ارشادات کی روشنی میں حضورِ اکرم ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک ہی کی ضیاء سے دو عالم کو منوّر پاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضور ہی کے نور سے سب کچھ ہے۔

چھینٹ تمہاری سحر، چھوٹ تمہاری قمر
دل میں رچا دو ضیا، تم پہ کروروں درود
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا، چمکا ستارا نور کا
تو ہے سایہ نور کا، ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے، نہ سایہ نور کا

ل گیسو، ہ دہن، ی ابرو، آنکھیں ع ص
کہیعص اُن کا ہے چہرہ نور کا

نورِ عینِ لطافت پہ الطف درود
زیب و زینِ نظافت پہ لاکھوں سلام

"رازِ عبدہٗ"

قرآنِ مجید فرقانِ حمید نے ہمارے آقا و مولا کو بہت خطابات سے نوازا ہے، جن میں ایک خطاب ہے "عبدہٗ" کا۔ اس سے بعض ظاہر بیں اور قرآنِ پاک کی روح سے ناواقف لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ حضور "خدا کے بندے" ہیں، اسی طرح جس طرح میں اور آپ، چنانچہ انہیں اپنا بڑا یا چھوٹا بھائی (نعوذ باللہ) کہہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ اقبال نے ایسے ناسمجھوں کی ہدایت کے لئے "عبدہٗ" کی مفصل تعریف کی ہے۔ فلکِ مشتری پر حبیب حلّاج کہتا ہے کہ:-

ہر کہیں پیدا ہے شہرِ رنگ و بُو
خاک سے جس کی ہو پیدا آرزو
ہے وہ ممنون مصطفےٰ کے نور کا
یا ہے وہ جُویائے نورِ مصطفےٰ (ترجمہ انعام اللہ خاں ناصر)

تو زندہ رود اس سے اس جوہر کے بارے میں استفسار کرتا ہے جس کا نام مصطفےٰ ہے۔ بقول رئیس احمد جعفری "سوال بہت اہم اور پیچیدہ ہے اور اس گتھی کو صرف حلّاج ہی کی زبان حل کر سکتی ہے۔" (اقبال اور عشقِ رسول، ص ۲۴۱) علامہ اقبال حلّاج کی زبان سے مفہوم "عبدہٗ" کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں اور آخر میں اپنے عجزِ فہم کا اعتراف

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی اس لفظ کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ "مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی" کے مقام کو سمجھے، فرماتے ہیں:۔

عبدہٗ از فہم تو بالاتر است
زاں کہ اُو ہم آدم و ہم جوہر است

(فہم سے وہ تیرے بالاتر بھی ہے   عبدہٗ آدم بھی ہے، جوہر بھی ہے)

عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار، اُو منتظر

(عبد کم تر، عبدہٗ عالی وقار   منتظر وہ، ہم سراپا انتظار)

عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ ست
ما ہمہ رنگیم و اُو بے رنگ و بوست

(عبدہٗ سے دہر ہے، دہر عبدہٗ   ہم میں ہیں سب رنگ وہ بے رنگ و بُو)

عبدہٗ با ابتدا بے انتہاست
عبدہٗ را صبح و شام ما کجاست

(عبدہٗ آغاز بے انجام ہے   عبدہٗ آزادِ صبح و شام ہے)

اور آخری اور مبسوط کُن بات علامہ اقبال حلاج کے منہ سے یوں ادا کرتے ہیں:۔

کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جُز سرِ الّا اللہ نیست

(کون اس کے بھید سے آگاہ ہے   عبدہٗ اک رازِ الّا اللہ ہے)

علامہ کہتے ہیں کہ لا الٰہ تلوار ہے اور اس کی دھار عبدہٗ ہے بلکہ اگر زیادہ صاف اور واضح الفاظ میں سننا چاہو تو دونوں ایک ہیں، تلوار اور دھار میں فرق کیا ہی نہیں جاسکتا۔

لا الٰہ تیغ و دم اُو عبدہٗ
فاش تر خواہی، بگو ھُو عبدہٗ

اور آخر میں علامہ کہتے ہیں کہ جب تک قرآن پاک یہ وضاحت نہ کرے کہ کنکریاں پھینکنے والا ہاتھ جو سرکار کا ہاتھ تھا، در اصل خدا تعالیٰ کا ہاتھ تھا، "ھُو عبدہٗ" کی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔

مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ "مارمیت"

(کشفِ معنی کر سکیں کیا اک دو بیت   دیکھ تو سوئے مقامِ "مارمیت")

علامہ اقبال اپنی اسی تصنیف "جاوید نامہ" میں جرمن فلاسفر نطشے کا ذکر کرتے ہوئے افسوس کرتے ہیں کہ یہ بد قسمت شخص "لا" کے مقام تک رسائی حاصل کر چکا ہے کہ "الّا اللہ" تک نہیں پہنچ سکا اور مقام "عبدہٗ" سے بیگانہ رہا۔

اُو بہ لا درماند و تا اِلّا نہ رفت
از مقامِ "عبدہٗ" بیگانہ رفت

اعلیٰ حضرت رضا بریلوی جب اس پہلو سے بات کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا بندہ اور خلق کا آقا کہتے ہیں۔ وہی "ما سراپا انتظار، اُو منتظر" والی کیفیت ہے۔

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

ھُو اور عبدہٗ کو رضاؔ نے لمعۂ باطن اور جلوۂ ظاہر کہا ہے۔

بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

اور اس کیفیت کو انہوں نے اپنے مشہور قصیدۂ معراجیہ "در تہنیت شادیِ اسریٰ"

میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو، تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے، کدھر گئے تھے

علامہ اقبال تیغ و دمِ تیغ کے فرق اور "فاش تر خواہی بگو ھو عبدہٗ" کے راز کو ایک اُردو نعت کے مطلع میں یوں بیان کرتے ہیں:

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

لیکن اعلیٰ حضرت بریلوی ایسے معاملات میں اپنے جذبات کو روک لیتے ہیں اور یوں گویا ہوتے ہیں:

پیشِ نظر وہ نوبہار، سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے

اے شوقِ دل، یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے، سر کو خبر نہ ہو

اور ––– سِرِ عبدہٗ سے آگاہ ہونے کے عمل میں سر کا سجدہ نہیں مگر حضورِ شاہ میں دل کا سجدہ تو یوں بھی ناگزیر ہے کہ آقا نے خود ہی فرمادیا کہ "من رآنی فقد رای الحق" (یعنی جس نے مجھے دیکھا اُس نے خدا کو دیکھ لیا) پھر علامہ اقبال یہ اعتراف کیوں نہ کریں کہ میری آنکھوں کو نگاہ سرکار ہی نے بخشی ہے اور میری زندگی کی رات میں چاند کی روشنی آپ ہی کے کرم سے ہے اور پھر حضور کے معمولہ بالا ارشاد کے حوالے سے اُن کے رُخِ زیبا

کی زیارت کی خواہش کیوں نہ ظاہر کی جائے۔

بچشمِ من نگہ آوردۂ تست
فروغِ لا اِلٰہ آوردۂ تست
دو چارم کن بہ صبحِ "من رآنی"
شبم را تابِ مہ آوردۂ تست

اسی طرح رضا بریلوی "من رآنی" کی نوید سنانے والے آقا کی مدح و ثنا میں ہر وقت رطب اللسان کیوں نہ ہوں۔

معنیٔ قد رای، مقصدِ ما طغیٰ
نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

من رآنی قد رای الحق جو کہے
کیا بیاں اس کی حقیقت کیجیے
کھلے کیا رازِ محبوب و محب مستانِ غفلت پر
شراب قد رای الحق زیبِ جامِ من رآنی ہے

خدا و نبی

خداوند تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذکرِ مبارک میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ سرکار نے ہمیں اللہ کی راہ دکھادی ہے۔ اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرماتی ہے، اُسے خالق، مالک، رازق، قادرِ مطلق بتایا ہے، اس کی حمد کرنے کی ترغیب دی ہے ––– ہمیں

حضور کے احکام پر عمل کرنا ہے اور بس۔۔ مگر علامہ اقبال عشقِ مصطفٰےؐ میں افضل الخلائق بعد الانبیاء حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور وہ جب رفیقِ نبوت کی زبان سے یہ نعرۂ حق سنتے ہیں تو اس کو حرزِ جاں بنا لیتے ہیں کہ:

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسُول بس

وہ جانشینِ سرکارِ دو عالم کی جرأت پر دل و جان سے فدا ہیں، جنہوں نے خدا سے کہہ دیا کہ مجھے مصطفٰی کی ہستی کافی ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے لئے سرکار کافی ہوں، نہ وہ گمراہ ہو سکتا ہے، نہ احکامِ خدا و رسُول سے سرتابی کی جرأت کر سکتا ہے۔

بگوئے تو گدازِ یک نوا بس
مرا ایں ابتدا، ایں انتہا بس
خرابِ جرأتِ آں رندِ پاکم
خدا را گفت "مارا مصطفٰےؐ بس"

"جاوید نامہ" میں وہ "محکماتِ عالمِ قرآنی" کی ذیل میں کہتے ہیں کہ خدا کا انکار ممکن ہے مگر شانِ نبی کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

می توانی منکرِ یزداں شُدن
منکر از شانِ نبی نتواں شُدن

اور اس کا باعث شاید یہ ہے کہ

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسُول اللہ! اُو پنہان و تو پیدائے من

اس معاملے میں حضرت علامہ اقبال حضرتِ صدیقِ اکبر کے موقف پر عامل ہیں اور بعض بزرگانِ دین کے اس موقف سے ہم آہنگ ہو کر "با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار" ...

پر عظیم کہ "رب محمد است" فرماتے ہیں:

تو فرمودی، رہِ بطحا گرفتیم
وگرنہ جز تو مارا منزلے نیست

وہ اپنی آسودہ جانی کے لئے وہی "شور" مانگتے ہیں، جس نے حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کے کاشانۂ دل کو تجلیات کا مسکن بنا دیا تھا۔

ازاں فقرے کہ با صدیق دادی
بشورے آور ایں آسودہ جاں را

علامہ اقبال شدت سے اس حقیقت کے مبلغ ہیں کہ خدا تک براہِ راست رسائی ایک باطل نظریہ ہے۔ اور جب تک اس کے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور توسّل کی سرپرستی نہ ہو، انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان ہی نہیں سکتا۔۔۔ اس پر پہنچنا تو در کنار۔ وہ اپنی منزلِ مقصود مدینہ پاک کو قرار دیتے ہیں، سرکار کے در تک رسائی ہی کو دین کو سمجھتے ہیں اور اس حقیقت کا، اعلیٰ حضرت کی سی شدت سے پرچار کرتے ہیں کہ اپنے آقا و مولا کے در تک پہنچنے کی خواہش سے محرومی الحاد ہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی وحدانیت کا اقرار بہت بڑی خوش نصیبی ہے مگر یہ دولت سرکار ہی کے دم قدم سے ہمیں نصیب ہوئی ہے۔ ان کے بغیر ہم اس سے بہرہ ور ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کہتے ہیں کہ "ایک بار حضرت اقبال نے راقم الحروف سے فرمایا کہ عقلِ انسانی انسان کو خدا تک پہنچانے کے بجائے خدا سے دور کر تی

ہے سرکارِ دو عالم کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ کے یہ فرمانے سے کہ خدا ہے، ہم نے خدا کا اعتراف کرلیا ورنہ ہم ساری زندگی خدا پر ایمان لا ہی نہیں سکتے تھے" (اقبال اور عشقِ رسول۔ بصیر کراچی عید میلاد النبی ایڈیشن ۱۹۷۲ء، ص ۶۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرنے والے ایک کافر کو غازی علم الدین شہید نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سلسلے میں ۸ رجولائی ۱۹۲۷ء کو برکت علی اسلامیہ ہال میں ہونے والے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ "جو مسلمان عملاً توحید پر جمع نہ ہو سکے، وہ نبوت پر متفق ہو گئے" یہی بات آپ نے ۱۰ رجولائی کی اپنی شاہی مسجد کی تقریر میں بھی کہی (گفتارِ اقبال۔ ص ۳۹، ۴۳) علامہ اقبال کے عشقِ رسول کے اس پہلو کا کمال یہ ہے کہ وہ خالقِ کائنات سے التجا کرتے ہیں کہ اگر روزِ حشر میرا حساب کتاب بہت ہی ضروری ہو اور مجھے کسی طرح معاف نہ کیا جا سکتا ہو تو میری فردِ عمل سرکارِ دو عالم کی نگاہ سے پوشیدہ رکھی جائے۔ یعنی اگر کوئی صورت نہ ہو تو خدا فردِ عمل دیکھ لے اور جو چاہے سزا بھی دے دے مگر حضور کے سامنے ندامت کا موقع نہ آئے۔

تو غنی از ہر دو عالم، من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفٰے پنہاں بگیر

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید اپنے مضمون "علامہ اقبال کا تصورِ انسانِ کامل" میں کہتے ہیں:-

"اقبال نے اپنے لکچروں میں ایک شعر نقل کیا ہے

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری در تبسمی

اس شعر میں "صفات" اور "ذات" کے الفاظ غور طلب ہیں۔ یہ کیا مقام تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضور سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آ میرے محبوب! میں تجھ کو اپنا آپ دکھاؤں۔۔ جہاں رسولِ کریم کو دیگر انبیا پر بہت سی فضیلتیں ہیں، وہاں یہ دو سب سے اہم ہیں (۱) خاتمیت (۲) معراج"

(بصیر کراچی۔ عید میلاد النبی ایڈیشن مئی ۱۹۷۲ء ص ۳۹)

اقبال معراج النبی کے واقعے کا اکثر و بیشتر ذکر کرتے ہیں اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰی سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اس شعر سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ علامہ معراج جسمانی کے قائل تھے۔ اس رات سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے بزرگ و برتر کی مرضی سے افلاک اور کائنات کی جزئیات کا اور قدرت کے سربستہ رازوں کا اور خود ذاتِ حق کا بچشمِ خود مشاہدہ کیا۔

علامہ اقبال حقیقتِ معراج پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:-

مردِ مومن در نسازد با صفات
مصطفٰے راضی نہ شد الّا بذات
چیست معراج؟ آرزوئے شاہدے
امتحانے رو بروئے شاہدے

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "علامہ معراجِ مصطفٰے کو عام صعود روحانی یا نفسی سے مختلف، منفرد، بلند تر اور خاص الخاص تجربہ یا واقعہ سمجھتے ہیں" (فکر و نظر۔ اسلام آباد۔ سیرت نمبر

۱۹۷۶ء، ص ۶۹۷)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے محولہ بالا مضمون "اقبال اور معراج النبی" کے آخر میں افکارِ اقبال کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے "معراج سے مسلمانوں کے ایمان بالرسالت میں گہرائی پیدا ہوئی اور حضور کی اکملیت اور اشرفیت کا یقین محکم ہوا۔ جہاں بعض دوسرے انبیاءؑ کے آسمانی سفر ایک خاص مقام تک پہنچ سکے، وہاں آنحضرت کا سفر نبوت کے راستے کی آخری منزل قرار پایا۔ اس سے ایقان میں گہرائی پیدا ہوئی اور خدا کی ہستی کی محسوس شہادت میسر آئی (ص ۷۰۲)

علامہ نے اپنے لیکچروں میں "صفات و ذات" کی موسیٰ و مصطفیٰ پر کرم فرمائیوں کے متعلق جو شعر نقل کیا ہے وہی تقابل جب مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمت کرتے ہیں تو یہ صورت بنتی ہے:

تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

نہ عرشِ ایمن نہ اِنّی ذاهب میں میہمانی ہے
نہ لطفِ اُدْنُ یا احمد نصیبِ لن ترانی ہے

سب کی ہے تم تک رسائی
بارگہ تک تم رسا ہو

اعلیٰ حضرت رضا بریلوی بارگاہِ خداوندی میں محبوبِ خدا کی باریابی کا ذکر اپنے کلام میں بار بار کرتے ہیں اور سرکار کی رفعتِ شان کی رطب اللسانی میں نہیں تھکتے۔

نہ ہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں، کوئی بتائے کیا کہ یوں

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی

اس ضمن میں انبیائے سابقہ کے ذکر میں افضل الرسل نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علوئے مرتبت کا حوالہ بہر حال جگہ جگہ ناگزیر ہے

نہ حجاب چرخ و مسیح پر نہ کلیم و طور نہاں مگر
جو گیا ہے عرش سے بھی اُدھر وہ عرب کا ناقہ سوار ہے

ختمِ نبوّت

آتے رہے انبیا کَمَا قِیْلَ لَهُمْ
وَالْخَاتَمُ حَقُّکُمْ کہ خاتم ہوئے تم
یعنی ہوا دفترِ تنزیل تمام
آخر میں ہوئی مہر کہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ (رضا)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور کی رسالت پر دین کو مکمل فرما دیا اور اعلان کر دیا کہ حضور خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد ظلی، بروزی --- کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما دیا کہ "میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمت نے اس موضوع کو حسنِ شعری سے مرصع صورت میں کئی مقامات پر پیش کیا ہے۔

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبی

حضورِ اکرم سب سے پہلے نبی ہیں اور سب سے آخری رسول ہیں، اس حقیقت کی طرف رضا بریلوی یوں اشارہ کرتے ہیں۔

فتحِ بابِ نبوّت پر بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت کی طرح علامہ اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) بھی کئی دوسرے مقامات کی طرح "اسرار و رموز" میں حضور کی حدیث پاک کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔

لا نبی بعدی ز احسانِ خداست
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفٰےؐ ست
قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظِ سرِ وحدتِ ملّت ازو
حق تعالیٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست
تا ابد اسلام را شیرازہ بست

پھر فرماتے ہیں ——

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

علامہ ختمِ نبوّت کے عقیدے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:۔

"اسلام کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو۔ جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے، وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔" (قادیانیت اور اسلام بجواب نہرو۔ بحوالہ فیضانِ اقبال

از شورش کاشمیری۔ ص ۲۲۴)

سید نذیر نیازی کے نام خط میں انہوں نے لکھا:

"ختمِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزا نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذّاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا تھا۔" (انوارِ اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار۔ ص ۴۵-۴۶)

اور اعلیٰ حضرت رضا بریلوی کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف اسی بنا پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔

حیات النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ حضور ہی کی وجہ سے ہمیں خداوند کریم نے یہ نوید سنا رکھی ہے کہ جب تک وہ ہم میں ہیں، ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ خالقِ کائنات نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کرے، اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، وہ سرکار کے حضور میں اپنے آپ کو حاضر پا کر خدا سے معافی چاہے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ پھر سرکار کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عالمین ہوں اور رحمت باقی نہ رہے۔ چنانچہ اسلام کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور حیات ہیں اور ان کی رحمت ہم پر سایہ فگن ہے۔ رضا بریلوی اس نکتے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
مری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

اور حکیم الامت شاعرِ مشرق نیاز الدین خاں کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام ہوا کرتے تھے" (فیضانِ اقبال مرتبہ شورش کاشمیری ص ۲۸۷)

حاضر و ناظر

اللہ رب العزت جل جلالہ نے اپنے محبوب پاک کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ اس نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ رسول تم پر شہید ہیں، اس نے محبوب کو کہا کہ میں قیامت کے دن سب پر آپ کو شہید بناؤں گا۔ حضرت ملا علی قاری ہوں یا حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور خازن، روح البیان، مدارک اور ابن کثیر کے تمام مفسرین شاہد اور شہید کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب کو تمام اشیا پر اطلاع دی ہے اور آپ ہی کی گواہی سے سب کے فیصلے ہوں گے اور وہ گواہی کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے، جہاں گواہ "چشم دید" نہ ہو۔ چنانچہ رضا بریلوی کہتے ہیں :۔

سر عرش پر ہے تری گزر، دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اسی لئے ان کا ایمان ہے کہ سرکار ہر شخص کے حال سے واقف ہیں اور جو انسان فریاد کرتا ہے، خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اس سے باخبر ہوتے ہیں، ہر امتی کے حالات سے آگاہ ہیں اور بوقت ضرورت اس کی مدد کرتے ہیں۔

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

اور اقبال بھی اسی نقطہ نظر کے قائل ہیں کہ جب سرکار کو خداوند تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عالمین میں کسی کو رحمت کی ضرورت ہو اور

سرکار باخبر نہ ہوں۔ اسی لئے یہ لازمی ہے کہ جہاں ہنگامۂ عالم ہوگا وہاں حضور رحمۃ للعالمین حاضر و موجود ہوں گے۔ علامہ نے اسی دلیل کے طور پر یہ شعر نقل کیا ہے۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمتہ للعالمینے ہم بود

"جاوید نامہ" میں علامہ نے رحمۃ للعالمین کے انتہائی حقائق و اسرار واضح کر دیئے ہیں۔ غالب یہاں تک تو پہنچتا ہے کہ خلق و تقدیر و ہدایت کو ابتدا اور رحمۃ للعالمین کو انتہا کہتا ہے مگر پھر بھی اس رمز کی صحیح حقیقت کو وا کرنے سے عاجز آجاتا ہے۔ آخر منصور حلاج اس راز سے اس طرح پردہ اٹھاتا ہے کہ جہانِ رنگ و بو میں ہر چیز یا نورِ مصطفےٰ کی ممنون ہے یا نورِ مصطفےٰ میں ہے۔ اور بس!

اعلیٰ حضرت بریلوی "رحمۃ للعالمین" کی شرح یوں کرتے ہیں :

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

علم غیب

خداوند کریم نے فرمایا، علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (محبوب! جو تم نہ جانتے تھے، ہم نے تم کو سکھا دیا اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے) امام احمد، ابن سعد، بزار، حاکم، بیہقی، ابو نعیم۔۔۔ یہ تمام جلیل القدر محدثین حضرت ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بھیڑیا چرواہے کی بکری لے گیا۔ اس نے بکری چھڑائی تو بھیڑیے نے کہا کہ خدا نے مجھے رزق دیا اور تو نے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے اس کے بولنے پر تعجب کیا تو بھیڑیے نے کہا کہ عجیب بات تو یہ ہے کہ ان دو پہاڑوں کے درمیان ایک رسول پیدا ہوئے ہیں، جو زمانۂ آئندہ و گزشتہ کی خبریں سناتے ہیں" (جامع الصفات از محمود احمد رضوی

ص ۴۴) یعنی حضور نہ صرف یہ کہ علم غیب رکھتے ہیں بلکہ لوگوں کو غیب بتاتے ہیں۔ وما ھو علی الغیب بضنین" القرآن (یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں) اعلیٰ حضرت بریلوی نے الملفوظ میں اور خالص الاعتقاد میں واضح کر دیا ہے کہ متناہی اور غیر متناہی علم کو آپس میں کوئی نسبت نہیں۔ "علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر، غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے" (خالص الاعتقاد۔ ص ۴۴) مگر کہتے ہیں "اللہ عزوجل کی عطا سے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے (ص ۴۵) یعنی ——

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے
دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

پھر کہتے ہیں کہ جب حضور سے خدا ہی نہ چھپا تو اور کیا چیز ان سے مخفی رہ سکتی ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

علامہ اقبال بھی اسی نکتے پر زور دیتے ہیں کہ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آقا نے "ذاتِ خدا" کو بے پردہ دیکھا تو اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کا انہیں علم نہ ہو مگر یہ سرکار کا اندازِ خاص ہے کہ پھر بھی خدا سے "ربِ زدنی علما" کی دعا کرتے ہیں۔

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید
ربِّ زدنی از زبانِ اُو چکید

اقبال اپنے آقا و مولا کے اس خاص انداز پر فدا ہیں اور اس کا عام طور سے ذکر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ عالم آقا کے حضور جبہ سا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو "عبدہٗ" قرار دیتے ہیں۔

پیشِ اُو گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

اعلیٰ حضرت نے اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ قرآن پاک میں ہر چیز کا بیان ہے اور یہ کتاب سرکار پر نازل ہوئی۔ پھر انہیں ہر چیز کی خبر کیوں نہ ہو۔

ان پر کتاب اُتری بیاناً لکُلِّ شئ
تفصیل جس میں ماعبر و ماغبر کی ہے

اسی لئے وہ آقا کے حضور عرضِ مدعا کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

عالم علیم دو عالم ہیں حضور
آپ سے کیا عرضِ حاجت کیجیے

سرکار کی قُدرت

سید نذیر نیازی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے علامہ اقبال کے سامنے بڑے اچنبھے کے ساتھ اس حدیث کا ذکر کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ ثلاثہ کے ساتھ اُحد پر تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں اُحد لرزنے لگا اور حضور نے فرمایا "ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے، اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا؟ علامہ اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا "اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے؟ میں اس کو استعارہ و مجاز نہیں، بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے مادے کے بڑے سے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں۔ مجازی طور پر نہیں، واقعی لرز اٹھتے ہیں"

(اقبالِ کامل ص ۶۴ اور جوہر اقبال ص ۲۸)

علامہ اقبال کی طرح حضرت رضا بھی سرکار کی قدرت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔

ایک ٹھوکر میں اُحد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار ، اللہ اکبر ایڑیاں

اسی نعت میں پتھر پر حضور کے نشانِ قدم کے تذکار سے اس پتھر کی خوش بختی پر رشک کرتے ہیں ۔

ہائے اس پتھر سے اس سینہ کی قسمت پھوڑیئے
بے تکلف جس کے دل میں یوں کریں گھر ایڑیاں

ایک اور نعت کے مطلع میں یہی مضمون یوں ہے ۔

نہ میرے دل میں ، جگر میں ، نہ دیدۂ تر میں
کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر میں

حضور ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ وہ چاہیں تو سورج پلٹ آئے ، اشارہ کر دیں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے ۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمت نے سرکار کے ان دونوں معجزوں کا ذکر اپنے کئی شعر پاروں میں کیا ہے ۔

ماہِ شق گشتہ کی صورت دیکھو کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو
مصطفٰے پیارے کی قدرت دیکھو کیسے اعجاز ہوا کرتے ہیں

چاند اشارے کا ہلا ، حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات ، شہا! تیری توانائی کی

تیری مرضی پا گیا ، سورج پھرا اُلٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی ، مہ کا کلیجہ چر گیا

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

اور کہتے ہیں کہ جب ارض و سما ان کے زیرِ نگیں ہیں تو شمس و قمر کی حقیقت ہی کیا

ہے کہ وہ اشارۂ ابرو کے تابع نہ ہوں ۔

ارض و سما ہیں زیرِ نگیں ، کیسا آفتاب
مرضی جو اُن کی دیکھی تو لوٹ آیا آفتاب

اقبال اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ جب خدا نے محبوب کے فعل کو اپنا فعل کہا ، ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت گردانا اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دے دیا تو ان کی انگلی کے اشارے سے چاند کے شق نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ۔

پنجۂ اُو پنجۂ حق می شود
ماہ از انگشتِ اُو شق می شود

ڈاکٹر سید عبد اللہ اپنے ایک مضمون "اقبال اور معراج النبی" میں "ضربِ کلیم" میں اقبال کی نظم "معراج" کے حوالے سے سرکار کی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"سوچنے کی بات ہے کہ جب علامہ عام مردِ مومن کی اس قدرت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ ذوق و شوق پیدا کر کے وہ مہ و مہر کی تسخیر کر سکتا ہے (اور بایں جسدِ عنصری کر سکتا ہے) تو خاتم النبیین اور افضل المرسلین کے بارے میں وہ کیونکر سوچ سکتے ہیں کہ ایک عام مومن تو شش جہات کو عبور کر کے افلاک کی تسخیر بایں جسدِ عنصری کر سکتا ہے لیکن حضور بہ جسدِ عنصری نہیں کر سکتے ۔" فکر و نظر ، سیرت نمبر ۲ ، ۲ ، ص ۶۹۸)

سرکارِ دو عالم کی قدرت کی کیا بات ہے ۔ رضا بریلوی کہتے ہیں کہ

دیکھیں جاں بخشیٔ لب کو تو کہیں خضر و مسیح
کیوں مرے کوئی ، اگر ایسی مسیحائی ہو

ان کا خیال ہے کہ مُردے زندہ کرنا انہیں کیا دشوار ہے جب کہ وقتِ خمیر اُن کے لب زُلالِ چشمۂ کُن میں گوندھے گئے تھے ۔

لب زلالِ چشمۂ کن میں گندھے وقتِ خمیر
مُردے زندہ کرنا اے جاں تم کو کیا دشوار ہے

علامہ بُصیری رحمۃ اللہ علیہ جذام میں مبتلا تھے۔ انہوں نے سرکار کو خواب میں قصیدہ پیش کیا۔ آقا نے اپنی ردائے پاک عنایت فرمائی، وہ تندرست ہوگئے۔ علامہ اقبال سید سلیمان ندوی کے نام اپنے ایک خط میں سرکار کے اس کرم کا تذکرہ کرتے ہیں، مطلب یہ کہ آقا کی قدرت کا دائرہ کار کل تک ہی نہیں تھا، آج بھی ہے اور کل بھی ہوگا۔ اقبال کہتے ہیں:

"اے بُصیری کا ردا بخشندہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بُصیری کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضور نے بُصیری کو جو جذام میں مبتلا تھا، اپنی چادرِ مطہر خواب میں عطا فرمائی تھی جس کے اثر سے اُس نے جذام سے نجات پائی۔ بعض لوگوں میں قصیدۂ بُصیری قصیدۂ بُردہ کے نام سے مشہور ہے۔"
(اقبال نامہ حصہ اوّل۔ ص ۹۴)

علامہ سلیمان ندوی کے نام ۲۰ر نومبر ۱۹۱۸ء کے ایک خط میں بھی اقبال اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرحِ قصیدہ بردہ میں منجملہ اور روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے (ص ۸۰) اقبال نے افغانستان سے واپسی پر قندھار میں حضور کے خرقۂ مبارک کی زیارت کے بعد یہ اشعار کہے، جو ان کے عشق کا پتا دیتے ہیں:

رقصد اندر سینہ از زورِ جنوں
تازہ راہ دیدہ می آید بروں
آمد از پیراہن اُو بوئے اُو
داد مارا نعرۂ اللہ ھُو

بوئے محبوب سے سرشار عاشقِ مصطفےٰ اقبال کا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ آقا کی نگاہِ کرم ہو تو انسان ہر مرض سے شفایاب ہو جائے۔ پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی

کے نام ۱۲ر جون ۱۹۳۶ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"۳ر اپریل کی رات ۳ بجے کے قریب (میں اس شب بھوپال میں تھا) میں نے سرسید کو خواب میں دیکھا، پوچھتے ہیں، تم کب سے بیمار ہو، میں نے عرض کیا۔ دو سال سے اُوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا، حضور رسالت مآب کی خدمت میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر جو اب طویل ہوگئی ہے میری زبان پر جاری ہوگئے۔ انشاءاللہ ایک مثنوی فارسی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" نام کے ساتھ یہ عرضداشت شائع ہوگی۔ ۴۔ اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف تر ہے اور اس میں وہ رنگ عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔" (اقبال نامہ حصہ اوّل۔ ص ۲۱۴)

پھر رضا بریلوی کیوں نہ کہیں کہ

تم ہو شفائے مرض، خلقِ خدا خود غرض
خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروروں درود

اور ————

حبیب اللہ من تعربہ خفظا
فکل کریھۃٍ عند بعید

(جس شخص کی حفاظت کے لئے اللہ کے حبیب اس کے نزدیک ہوں تو اس سے ہر مصیبت دُور ہے اور وہ عافیت میں ہے)

علامہ اقبال نیکیوں کا اجر سرکارِ دوجہاں سے چاہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ حضور ہی یہ اجر دے سکتے ہیں۔ سید غلام بھیک نیرنگ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "جس جانفشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے، اس کا اجر حضورِ سرورِ کائنات ہی دے سکتے ہیں۔ میں انشاءاللہ جہاں جہاں موقع ہوگا آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سننے کو حاضر ہوں۔

مگر آپ اور مولوی عبدالماجد بدایونی جزلی ہندوستان کے دورے کے لیے تیار رہیں۔"
(اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۲۱۰)

اقبال و رضا کو یقین ہے کہ مصائب و آلام سے سرکار ہی نجات دلائیں گے اور وہی چارہ سازی فرما سکتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں :-

تو اے مولائے یثرب! آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری

اور احمد رضا یوں فریاد کرتے ہیں :-

شہا! بیکس نوازی کن، طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

رضا بریلوی نے احادیث کی سند سے حضور سے استعانت کرنے، مدد لینے اور حاجت پوری فرمانے کی استدعا کرنے کے حق میں فتویٰ دیا ہے (احکام شریعت حصہ اول، ص ۱۶) علامہ اقبال اس پر یوں عمل کرتے ہیں کہ انہیں جب کوئی حاجت مجبور کرتی ہے اور وہ کرم کے طالب ہوتے ہیں تو ان کی نگاہ محسنِ انسانیت کی جانب اٹھتی ہے۔

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تُو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

حاجت انفرادی ہو یا اجتماعی، دادرس آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں :

خلق کے دادرس، سب کے فریاد رس
کہفِ روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام (رضا)

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیمِ بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا، رضا بھی کوئی حساب میں ہے (رضا)

ملوکیت سراپا شیشہ بازی ست
ازو ایمن نہ رومی نے حجازی ست
حضورِ تو غمِ یاراں بگویم
بامیدے کہ وقت دلنوازی ست (اقبال)

بآں رازے کہ گفتم پے نبردند
ز شاخِ نخلِ من خرما نہ خوردند
من اے میرِ اُمم! داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند (اقبال)

رضا بریلوی نے حضور کی عطا و مرحمت کے حصول کے لیے کئی انداز اختیار کیے ہیں اور ان گل ہائے رنگا رنگ میں التجائے کرم اور تمنائے لطف کے بڑے خوبصورت پہلو ہیں۔

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضا
تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ، لے خبر

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں، یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ وا

یہی حال اقبال کا ہے کہ وہ آقا کو اپنے خیالوں کا محور اور امیدوں کا مرکز مانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے سینے میں آپ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے تو آپ کے سوا اپنا افسانۂ غم کس کو سناؤں، کس کو دادرس مانوں۔

درونِ ما بجز دُودِ نفس نیست
بجز دستِ تو مارا دسترس نیست
دگر افسانۂ غم باکہ گویم
کہ اندر سینۂ ما غیر از تو کس نیست

وہ دنیا و آخرت میں حضور ہی کو ملجا و ماویٰ سمجھتے ہیں،

روزِ محشر اعتبارِ ماست او
در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او

اور اپنی ہر صلاحیت کو نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان خیال کرتے ہیں۔

پیکرم را آفرید آئینہ اش
صبحِ من از آفتابِ سینہ اش

علامہ رضا بریلوی یہی بات یوں کہتے ہیں

رشکِ قمر ہوں، رنگِ رُخِ آفتاب ہوں
ذرہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں

شفیعِ روزِ شمار

گنہگاروں کو ہاتف سے نویدِ خوش مآلی ہے
مبارک ہو، شفاعت کے لئے احمد سا والی ہے (رضاؔ)

حضورِ پُر نور شافعِ یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرم سے دنیا میں بھی چین سے گزرتی ہے اور اُن کی شفاعت کے سبب قیامت کو بھی خلاصی ہوگی۔ اگر حشر کے دن ابرِ شفاعت گہر باری نہیں کرے گا تو ہماری بخشش کی اُمید کیسے ہو سکتی ہے۔

حشر میں ابرِ شفاعت کا گہر بار آیا
دیکھ لے جنسِ عمل تیرا خریدار آیا (اقبال)

اقبال کہتے ہیں کہ جب عاصی و مذنب اظہارِ ندامت کرے گا تو شفاعت خود بڑھ کر اس کے آنسو پونچھ دے گی۔

لیں شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا
عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا

اور رضاؔ شفاعت کی ذوق افزائی کے حوالے سے آقا کے ذوقِ طلب کا نغمہ چھیڑتے ہیں۔

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ وا
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ وا

اُنہیں حضور کی شفاعت پر اتنا یقین ہے اور وہ اس پر یوں مفتخر ہیں کہ بار بار اس کا اظہار کرتے ہیں:

زاہد اُن کا میں گنہگار، وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

شفاعت کرے حشر میں جو رضاؔ کی
سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے

مجرم ہوں، اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے

اللہ کریم نے فرمایا تھا: قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ یعنی جو حضور کے بندے ہیں، اگر وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھیں تو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں...

رضا بریلوی حضور کا بندہ ہونے کے ناتے ان سے شفاعت کے طلبگار ہیں۔

خدائے قہار ہے غضب پر کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچا لو آکر شفیعِ محشر تمہارا بندہ عذاب میں ہے

اور ....

نیرِ حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ ملے سایۂ داماں ہم کو

تیرے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اس کی
زبانِ بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے

خداوندِ رحیم و کریم نے تمام انبیاء و رُسل میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت بھی دی ہے کہ وہ قیامت کے دن سب کے شافع ہونگے حضور اپنے خالق و مالک سے لوگوں کو بخشوانے کا اہتمام کریں گے۔

اِدھر اُمّت کی حسرت پر اُدھر خالق کی رحمت پر
نرالا طور ہوگا گردشِ چشمِ شفاعت کا

رسل و ملک پہ درود ہو وہی جانے ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیعِ روزِ شمار ہے

احمد رضا کے نزدیک شفاعت سے استفادے کی خاطر پرہیزگاری معصیت قرض لینا چاہتی ہے۔
انہی معنوں میں اقبال بھی جنسِ عصیاں پر فخر کرتے ہیں۔

دکھی ہوتی کام آ رہی جاتی ہے جنسِ عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے ڈھونڈتا پھرے ہے درِ شفاعت دکھا دکھا کر

مدینہ طیبہ میں حاضری کی تمنّا

سایۂ دیوار و خاکِ درِ ہو یا رب اور رضاؔ
خواہشِ دیہیمِ قیصر شوقِ تختِ جم نہیں

حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (جس نے میرے روضے کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی)

چنانچہ حضور کی شفاعت کے طالبوں کے دل و دماغ میں طیبہ کے جلوؤں سے مستفید و مستنیر ہونے کا شوق ناگزیر ہے۔ اعلیٰ حضرت کا خیال ہے کہ جب جان و دل، ہوش و خرد آقا کے حضور پہنچے ہوئے ہیں، میں کیوں محروم رہوں۔

جان و دل، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا۔

ان کا کہنا ہے کہ جس کی نگاہوں میں مدینہ طیبہ کی بہار سما جائے، اس کو گلستانِ جہاں کہاں جچتے ہیں:

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینے کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

علامہ اقبال مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کے نام ۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء کے مکتوب میں انہیں زیارتِ روضۂ حضور کی سعادت پر پیشگی مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں "کاش میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا اور آپ کی صحبت کی برکت سے مستفیض ہوتا لیکن افسوس ہے کہ جدائی کے ایام ابھی کچھ باقی معلوم ہوتے ہیں۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضور کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جا سکوں۔ تاہم حضور کے اس ارشاد سے جرأت ہوتی ہے کہ "الطالح لی" یعنی گنہگار میرے لئے ہے۔ امید ہے کہ آپ اس دربار میں پہنچ کر مجھے فراموش نہ فرمائیں گے۔"

(اقبال نامہ، حصہ اوّل، ص ۲۹-۲۲۸)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ اپنی حیات کے آخری دور میں عشق کی ان سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے تھے، پہلے یہ عالم نہیں تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ

اوائل عمر ہی سے انہیں حضور سے بے حد عقیدت و ارادت تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء کے محولہ بالا خط سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ۹ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اکبر الٰہ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"خواجہ حسن نظامی واپس تشریف لے آئے۔ مجھے بھی اُن سے محبت ہے اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ خدا آپ کو اور مجھ کو بھی زیارتِ روضۂ رسول نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے، دیکھئے کب جوان ہوتی ہے۔"

(اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۳۶)

مدینے اور مدینے والے کا نام سُن کر اقبال کی آنکھیں بے اختیار نم ہو جاتی تھیں۔ ۱۹۳۷ء میں بہاولپور کے ایک پیر صاحب کے سفرِ حج کے ذکر سے اپنی محرومی کا احساس کر کے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں تو ان کی بہن کہتی ہیں کہ عام صحت کی خرابی کے علاوہ آپ کی آنکھوں میں تکلیف ہے اس لئے آپریشن کے بعد اگلے سال آپ بھی چلے جایئے گا۔ اس پر بڑے درد انگیز مگر پُر شوق لہجے میں فرمایا: "آنکھوں کا کیا ہے، آخر اندھے بھی تو حج کر ہی آتے ہیں۔" اتنا کہنے کے بعد آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔ (روزگارِ فقیر، جلد دوم، ص ۲۰۵)

حضرت غلام بھیک نیرنگ ۱۹۳۷ء کے موسمِ سرما کے ایک روز کا ذکر کرتے ہیں کہ "اقبال اس وقت بہت کمزور تھے، سفرِ مدینہ کا ذکر بھی رہا۔ کہنے لگے کہ جس قدر تھوڑی سی طاقت مجھ میں باقی ہے میں اس کو مدینے کے سفر کے لئے بچا بچا کر رکھ رہا ہوں۔" افسوس کہ ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور وہ دنیا سے رخصت ہو گئے (اقبال، اکتوبر ۱۹۵۷ء، ص ۳۰)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی جنوری ۱۹۳۸ء (وفات سے تین ماہ پہلے) کا ایک واقعہ لکھتے ہیں: "ڈاکٹر عبداللہ چغتائی سفرِ یورپ پر جانے سے پہلے رخصتی ملاقات کے لئے علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میری موجودگی میں انہوں نے چغتائی صاحب سے کہا کہ "اگر اللہ نے مجھے صحت عطا کر دی تو میں بھی حجاز کا سفر کروں گا۔ بظاہر یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی مگر وہ چاہے تو کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر مرحوم پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ اس کیفیت کا نظارہ کرتے

رہے۔ (البصیر کراچی، مئی ۱۹۷۲ء، ص ۷۰)

اقبال و احمد رضا — دونوں اس تصور سے محظوظ ہوتے ہیں، ایک خاص کیفیت کی لذت پاتے ہیں کہ وہ آقا کے دربار میں حاضر ہیں، آنکھیں بند کر کے حضور کے قدموں پہ پڑے ہوئے ہیں۔

آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پہ درود
وقفِ سنگِ در جبیں، روضے کی جالی ہاتھ میں (رضا)

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگوییم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم (اقبال)

اقبال کے نزدیک صحرائے عرب کی ہر ساعت دل نواز اور فرحت انگیز ہے۔ وہاں کا ذرہ ذرہ ہماری طرح عشقِ حضور کے احساس سے مملو ہے اس لئے اقبال کہتے ہیں کہ آقا کے دربار کے راستے میں قدم اس انداز میں رکھنا چاہیئے کہ مقدس ذروں کا لحاظ رہے اور ان کی دردمندی کا احترام کیا جائے۔

چہ خوش صحرا کہ شامش صبح خند است
شبش کوتاہ و روزِ اُو بلند است
قدم اے راہرو آہستہ تر نہ
چو ما ہر ذرۂ اُو دردمند است

اس معاملے میں رضا بریلوی کا احساس اس سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قصدِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گہربار کا ہو اور قدم رکھ کے چلا جائے، یہ غلط ہے۔ اس راہ میں تو سر کے بل چلنا ادب کی شرطِ اولیں ہے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے، سر کا موقع ہے او جانے والے!

ہاں ہاں، رہِ مدینہ ہے، غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم و سر کی ہے

مدینے کی طرف سفر جاری ہے۔ اقبال کو اس سفر کا سوز و ساز اتنا پسند آتا ہے کہ وہ ساربان سے طویل راہ سے لے چلنے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ جدائی کے شعلے تیز تر اور آہ و فغاں جنوں انگیز تر ہو جائے۔

غمِ راہی نشاط آمیز تر کن
فغانش را جنوں انگیز تر کن
بگیر اے ساربان، راہِ درازے
مرا سوزِ جدائی تیز تر کن

احمد رضا بریلوی بھی مدینے کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے دوام کے خواہاں ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس منزل کا عزم ہے، اس کی عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان مصائب سے گزر کر آدمی وہاں پہنچے اور راہی کو مشکلاتِ راہ کا خیال کرنے کے بجائے یہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ وہ کس بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہے۔

گرمی ہے، تپ ہے، درد ہے، کلفت سفر کی ہے
ناشکر! یہ تو دیکھ کہ نہضت کدھر کی ہے

اقبال کہتے ہیں کہ عشقِ مصطفیٰ کا فیض ہے کہ جہاں جنید و بایزید جیسی عظیم المرتبت شخصیتیں نفس گم کردہ جو حاضر ہوتی ہیں، سلطانِ مدینہ سلطانِ دو عالم کا وہ دروازہ درویشوں کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ انھیں باریابی کی اجازت مل جاتی ہے۔

حکیماں را بہا کمتر نہادند
بناداں جلوۂ مستانہ دادند

چہ خوش بختے، چہ خرم روزگارے
درِ سلطان بہ درویشے کشادند

اور رضا بریلوی کا موقف یہ ہے کہ جب سلطانِ کون و مکاں یہ کرم فرماتے ہیں تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سرکار اس خاک پہ قدم رکھتے تھے چنانچہ ہمیں اپنا دل اس خاکِ پاک پہ قربان کر دینا چاہیے۔

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم
اُس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

علامہ اقبال جنت اور خاکِ مدینہ کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے:

میں نے سو گلشنِ جنت کو کیا اُس پہ نثار
دشتِ یثرب میں اگر زیرِ قدم خار آیا

اور کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر جنت میں جانا کس کو گوارا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہیں بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔

ہزار جنت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینہ سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اس کو ٹالا، بڑے بہانے بنا بنا کر

اعلیٰ حضرت بریلوی جنت کی شان و شوکت پر حیرت کا اظہار کرنے والوں کو سمجھاتے ہیں کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ بھی تو دیکھو کہ جنت کا خاکِ مدینہ سے کیا تعلق ہے۔

اتنا عجب بلندیِ جنت پہ کس لئے
دیکھا نہیں کہ بھیک یہ کس اونچے گھر کی ہے

انہیں اس بات پر سخت تعجب ہے کہ جو لوگ مدینہ پاک سے جنت میں جانے پر رضامند ہو جاتے ہیں وہ آخر وہاں کیا دیکھ کے جیتے ہیں، کیسے جیتے ہیں!!

طیبہ سے ہم آتے ہیں کہیے تو جناں والو!
کیا دیکھ کے جیتا ہے، جو واں سے یہاں آیا

اقبال محبوبِ خدا کی آرام گاہ اور مدینہ طیبہ کی خاک کی عظمت کا تصور کرتے ہیں تو انہیں سرکار کے قدموں کی وجہ سے یہ شہر اور اس کا ذرہ ذرہ دو عالم سے بہتر لگتا ہے۔

خاکِ یثرب از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

وہ خواب گاہِ مصطفٰے کو کعبے سے سوا سمجھتے ہیں یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسی کے دم سے سب کچھ ہے:

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفٰے
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو، ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں، باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں

رضا بریلوی بھی شہنشاہِ کونین کے روضے کو "کعبے کا کعبہ" قرار دیتے ہیں زیارتِ خانۂ کعبہ کے بعد حاجیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

حاجیو! آؤ، شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

وہ پشتِ فلک کے خم ہونے کی توجیہہ یوں پیش کرتے ہیں:

خم ہو گئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے، یہ رُتبہ ہے ہمارا

ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں۔

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا

مگر منزل تک رسائی کے سلسلے میں علامہ اقبال کا موقف یہ ہے کہ آقا نے ہمیں حکم دیا تو ہم اس راہ پر چل پڑے، ورنہ ان کے سوا ہماری کوئی منزل نہیں۔

تو فرمودی، رہِ بطحا گرفتیم
وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست

حضرت رضا کے ایمان و یقین کی بنیاد بھی یہی ہے کہ

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا، طیبہ ہی کہا
پوچھا ہے ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے

وہ فرماتے ہیں کہ کل تک ہم کعبہ کا طواف کر رہے تھے، آج ہم نے دیارِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا ہے تو کعبہ ہم پر نثار ہے۔

ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے
سونپا خدا کو تجھ کو، یہ عظمت سفر کی ہے
ہم گردِ کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے، یہ ارادت کدھر کی ہے

اقبال و رضا دونوں عشاق صادق کو اس خیال سے وحشت ہوتی ہے کہ حضور کے دربار

میں حاضری کے بعد واپسی بھی ہوگی سو وہ وہیں زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور وہیں مرجانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضا جب زیارتِ روضۂ پاک سے واپس آتے ہیں تو یوں اپنے احساسات کو شعر کی زبان میں ڈھالتے ہیں۔

یہ راے کیا تھی وہاں سے پلٹنے کی اے نفس!
ستم گر، اُلٹی چھُری سے ہمیں حلال کیا
یہ کب کی مجھ سے عداوت تھی تجھ کو اے ظالم
چھڑا کے سنگِ درِ پاک سر وبال کیا
ترا ستم زدہ آنکھوں نے کیا بگاڑا تھا
یہ کیا سمائی کہ دُور ان سے وہ جمال کیا
نہ گھر کا رکھا، نہ دَر کا اے ولئے ناکامی
ہماری بے لبسی پر بھی نہ کچھ خیال کیا
مدینہ چھوڑ کے ویرانہ ہند کا چھایا
یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا

وہ جانتے ہیں کہ سرکار کے در سے بھٹکے تو ٹھوکریں کھانا مقدر بن جائے گا چنانچہ ان کا ایمان ہے کہ:

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو

ان کی خواہش ہے کہ اگر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ہو تو اُن کے درِ پاک پر مستقلاً اپنے سر کو جھکانے کا اہتمام کیا جائے۔

یہ سر ہو اور وہ خاکِ در وہ خاکِ در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

اقبال و رضا اس خواہش میں بھی یک زبان ہیں کہ اگر قسمت یاوری کرے تو مدینہ منورہ

میں موت کی سعادت نصیب ہو۔ اعلیٰ حضرت کہتے ہیں:

"وقتِ مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند، مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو۔"

(حیاتِ اعلیٰ حضرت۔ ص ۲۱۲)

اقبال بھی اس تمنائے دل میں رضا کے ہم زبان ہیں:

اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں

اقبال اپنی زندگی کی سب سے بڑی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں زندگی کے مختلف مراحل، ہنگاموں، مشکلات اور طلسم کدوں میں گھرا رہا ہوں مگر عرفانِ حقیقت کی منزل تک پہنچنے کے بعد میری یہ آرزو اشک بن کر میرے ضمیر میں قیامت برپا کر گئی ہے بعرضِ مدعا سے پہلے وہ اظہار ندامت کرتے ہیں کہ میرا دامن عمل سے خالی ہے مگر آپ کی بے پایاں رحمت اور بیکراں کرم نے مجھے جرأت بخش دی ہے ——

آخر از پیمانۂ چشمم چکید
در ضمیرِ من نوا ہا آفرید
اے ز یادِ غیرِ تو جانم تہی
بر لبش آرم، اگر فرماں دہی
زندگی را از عمل ساماں نبود
پس مرا ایں آرزو شایاں نبود
شرم از اظہارِ اُو آید مرا
شفقتِ تو جرأت افزاید مرا

ان گزارشات کے ساتھ اس عاشقِ رسُول نے اپنے آقا سے مانگا تو کیا مانگا۔ وہ عالم پر رحمت کا مینہ برسانے والے سے کرم کا ایک چھینٹا طلب کیا۔

ہست شانِ رحمتت گیتی نواز
آرزو دارم کہ میرم در حجاز
کوکبم را دیدۂ بیدار بخش
مرقدے را سایۂ دیوار بخش

آرزو یہ ہے کہ سرزمین حجاز میں موت نصیب ہو اور استدعا یہ ہے کہ آپ کے سایۂ دیوار میں قبر کی جگہ ملے۔ سبحان اللہ۔

خواہش تو ان کی یہ تھی مگر ہوا یہ کہ انہیں آقا کے دربار ابد پناہ میں حاضری کا موقع بھی نہ مل سکا لیکن جہاں تک ان کے عشقِ رسُول کا تعلق ہے غلام بھیک نیرنگ کا خیال ہے کہ اگر اقبال وہاں حاضری دیتے تو پھر واپس نہ آ سکتے۔

"اقبال کا قلبی تعلق حضور سرورِ کائنات کی ذاتِ قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضور کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی، اگرچہ وہ فوراً ضبط کر لیتے تھے۔ چونکہ میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا، اس لئے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص خاص لوگوں سے بطور راز ضرور کہا کہ یہ اگر حضور کے مرقدِ پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے، وہیں جاں بحق ہو جائیں گے۔"

(اقبال۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ ص ۳۰)

غرض مدینے والے کے ساتھ ان دونوں عظیم شخصیتوں کی محبت اس درجے پر تھی کہ دیارِ پاک میں حاضری کی تمنا نے دونوں کو بے چین رکھا۔ ایک کو خدا نے توفیق بخشی اور وہ اس سعادت سے بہرہ یاب ہو گئے اور دوسرے کو تڑپ کی لذت میں شادکامی عطا کی گئی۔

قادریت

اقبال و رضا کی حبِ رسول کا نتیجہ تھا کہ ان دونوں نابغہ حضرات کو صحابۂ کرام، اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین سے دلی عقیدت تھی یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ صلحائے امت اور اولیائے کرام سے اس تعلقِ خاطر ہی کے باعث انہیں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی کا مسلک ہی محبتِ اولیائے کرام ہے۔ اور حکیم الامت علامہ اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی حضرت نظام الدین اولیا حضرت اورنگ زیب عالمگیر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری اور حضرت بوعلی قلندر پانی پتی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی ہستیوں کو جن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہ اہلِ عشق و محبت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ ان تمام ہستیوں یعنی اولیائے کرام کا سب سے بڑا وصف عشقِ رسول ہے جس سے ان کے دل و دماغ سرشار تھے۔ اسی لئے یہ حضرات اقبال و رضا کے ممدوح اور محبوب ٹھہرے۔

یہ دونوں عبقری شخصیتیں حضرت غوث اعظم محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ تصوف سے منسلک تھیں۔ اسی نسبت سے ان کا ہر بُنِ مو عشقِ رسول سے مملو تھا۔

سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی سعادت سے صرف یہ دونوں حضرات ہی مشرف نہیں ہوئے تھے۔ ان دونوں کے والد بھی اسی سلسلے سے منسلک تھے اور شاید اس سے بھی زیادہ ان میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ دونوں اپنے بزرگوں کے ساتھ ان کے روحانی پیشواؤں کے حضور حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔

"اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ۵ جمادی الاخریٰ ۱۲۹۴ھ کو اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں سید الواصلین، سند الکاملین حضرت سید نا شاہ آلِ رسول تاجدار مارہرہ کے دستِ اقدس پر بیعت کی ۔۔۔ حضرت شیخ نے اسی وقت دونوں حضرات کو خلافت، سندِ حدیث اور تمام سلسلوں کی اجازت سے نواز دیا۔"

(یادِ اعلیٰحضرت از محمد عبد الحکیم شرف قادری۔
مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور۔ ص ۴۰)

"آپ (رضا بریلوی) نے سلوک وطریقت کے علوم امام الاولیا سیدنا ومرشدنا شاہ آلِ رسول مارہروی سے حاصل کئے اور ان کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔"

(الشاہ احمد رضا بریلوی از مفتی غلام سرور قادری ایم اے۔ ص ۲۸)

"اقبال کے والد شیخ نور محمد اور خود اقبال نے بھی قادری سلسلے کے ایک بزرگ حضرت قاضی سلطان محمود (آوان شریف ضلع گجرات) کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی" (مضمون "اقبال کا خاندان اور صوفیانہ نظریات" از محمد عبد اللہ قریشی۔ ضیائے حرم لاہور۔ اپریل ۱۹۷۵ء ص ۲۹)

"علامہ اقبال کے والد محترم قاضی صاحب (آوان شریف) کے مرید تھے۔ اپنے فرزند کو لے کر آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے اور دعائے خیر کے لئے معروض ہوئے۔ قاضی صاحب نے ننھے محمد اقبال کے لئے دعا فرمائی اور کہا کہ یہ لڑکا حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیرو ہو گا۔ اقبال سنِ شعور کو پہنچے تو ان کے والد نے قاضی صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت کرائی۔"

(مضمون "حضرت قاضی سلطان محمود" از علی احمد خان آئینہ لاہور اپریل ۱۹۷۵۔ ص ۴۴)

"ان کے والد ماجد ایک صوفی بزرگ تھے۔ خود اقبال سلسلہ قادریہ میں بیعت کیے ہوئے تھے۔"

(مضمون "اقبال کے بعض حالات" از میر غلام بھیک نیرنگ اقبال لاہور اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۳۰)

"سلسلہ قادریہ میں علامہ اقبال کی بیعت" کے عنوان سے سید نور محمد قادری نے ایک مضمون (مطبوعہ ضیائے حرم لاہور۔ اپریل ۱۹۷۵ء) میں دیگر احوال وشواہد کے علاوہ محمد عبد اللہ قریشی سابق مدیر "ادبی دنیا" لاہور کے مضمون "اقبال اور طریقت" کا حوالہ دیا ہے۔ کہ اقبال خود بھی بچپن سے سلطان العارفین حضرت قاضی سلطان محمود صاحب آوان شریف کے مرید تھے جو سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔"

علامہ اقبال نے ایک مکتوب میں اپنے سلسلے کا ذکر کرتے ہوئے دوسرے سلسلوں کی طرح اس

پر بھی عجمیت کے اثرات کا ذکر کیا ہے اور افسوس کیا ہے۔

"خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں۔ حالانکہ حضرت محی الدین (غوث اعظم) کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔"

(اقبال نامہ حصہ اول مرتبہ شیخ عطا اللہ۔ ص ۹)

عجمیت کے اثرات اور امور بدعت کے خلاف نفرت کا اظہار بھی اقبال ورضا دونوں کا زندگی بھر شعار رہا۔ اعلیٰ حضرت رضا بریلوی نے اپنی مشہور کتاب "الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ" میں اللہ جل شانہ کے سوا سجدہ تعظیمی کی حرمت کا مفصل فتویٰ دیا ہے۔ "احکام شریعت میں ہے کہ "عورتوں کو مزارات پر جانے کی ممانعت ہے۔... پیر سے پردہ واجب ہے۔" (مضمون "اعلیٰ حضرت بریلوی اور امور بدعت" از سید محمد فاروق القادری ایم اے۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور اعلیحضرت نمبر ص ۲۱، ضیائے حرم لاہور مارچ ۱۹۷۳ء ص ۶۲)

انہوں نے غیر کعبہ معظمہ کے طواف کو ناجائز بتایا اور بوسۂ قبر کے بارے میں فرمایا "کم از کم چار ہاتھ فاصلہ پر کھڑا ہو یہی ادب ہے۔ پھر بوسہ کیونکر متصور ہے"؛ اسی طرح انہوں نے تحقیق سے واضح کیا ہے کہ ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کی رسوم بے اصل ہیں۔ امام ضامن کا جو پیسہ باندھا جاتا ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔ (الملفوظ ص ۵۸)

یہ حقیقت ہے کہ اللہ کریم دینِ مصطفیٰ کی سمجھ کسی شخص کو اس وقت تک عطا ہی نہیں کرتا جب تک وہ عشقِ مصطفیٰ کی لذتوں سے سرشار نہ ہو۔ اور اس نے حکیم الامت علامہ اقبال اور مجدد ملت شاہ احمد رضا (رحمہم اللہ تعالیٰ) کو ایک کے بدلے دوسری دولت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنے فضل سے دونوں شخصیتوں کے تتبع میں محبتِ رسول کی روش پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

کتابیات

بالِ جبریل — از علامہ محمد اقبال
بانگِ درا — ″
ارمغانِ حجاز — ″
ضربِ کلیم — ″
پیامِ مشرق
زبورِ عجم
اسرار و رموز
پس چہ باید کرد — ″
جاوید نامہ
جاوید نامہ (ترجمہ: انعام اللہ خان ناصر و نظیر لودھیانوی)
اقبال نامہ (حصہ اوّل، دوم) — مرتبہ: شیخ عطاء اللہ
فیضانِ اقبال — از شورش کاشمیری
روزگارِ فقیر، جلد دوم — از فقیر سید وحید الدین
گفتارِ اقبال — از محمد رفیق افضل
دانائے راز — از سید واجد رضوی
اقبال اور عشقِ رسول — از رئیس احمد جعفری
آثارِ اقبال — مرتبہ غلام دستگیر رشید
آئینۂ اقبال — مرتبہ محمد عبداللہ قریشی
انوارِ اقبال — مرتبہ بشیر احمد ڈار

مقالاتِ اقبال — مرتبہ سید عبدالواحد معینی
مطالعۂ اقبال — از گوہر نوشاہی
حدائقِ بخشش — از اعلیٰحضرت احمد رضا بریلوی
احکامِ شریعت — ″
خالص الاعتقاد — ″
الملفوظ — ″
یادِ اعلیٰحضرت — از محمد عبدالحکیم شرف قادری
الشاہ احمد رضا بریلوی — از مفتی غلام سرور قادری ایم اے
مقالاتِ یومِ رضا (حصہ اوّل، دوم، سوم) — از قاضی عبدالنبی کوکب ایم اے و حکیم محمد موسیٰ امرتسری
سوانحِ اعلیٰحضرت — از مولانا بدرالدین احمد
پیغاماتِ یومِ رضا — مرتبہ محمد مقبول احمد قادری
مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری — از ملک شیر محمد اعوان
اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر — از سید نور محمد قادری
تعارفِ اعلیٰحضرت — از صوفی محمد اکرم اے سی ایم اے
عاشقِ رسول — از ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے پی ایچ ڈی
جامع الصفات — از سید محمود احمد رضوی
اُردو کی نعتیہ شاعری — از ڈاکٹر فرمان فتحپوری
تین مقالے — از حافظ عبدالستار نظامی
ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ سیرت نمبر مارچ ۱۹۷۶ء
ماہنامہ "مسلم" لاہور۔ عید میلادالنبی نمبر ۱۹۶۱ء

ماہنامہ "ترجمان" لاہور۔ عید میلاد النبی نمبر ۱۹۷۴ء

ماہنامہ "بصیر" کراچی عید میلاد النبی ایڈیشن ۱۹۷۲ء

ہفت روزہ "الہام" بہاولپور۔ اعلیٰ حضرت نمبر ۱۹۷۵ء

ماہنامہ "نیرنگِ خیال" اقبال نمبر ۱۹۳۲ء

ماہنامہ "ستارہ" لاہور اقبال نمبر ۱۹۶۳ء

ماہنامہ "المیزان" بمبئی امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء

" "فیضِ رضا" لائلپور اعلیٰ حضرت نمبر ۱۹۷۰ء

"الجمعیۃ" دہلی ابوالکلام آزاد نمبر ۴ دسمبر

ماہنامہ "ستارہ" لاہور عبدالعزیز خالد نمبر

ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور اپریل ۱۹۷۵ء

ہفت روزہ چٹان "لاہور" ۲۰ اپریل ۱۹۵۹ء

ماہنامہ ضیائے حرم "لاہور" مارچ ۱۹۷۳ء

" اقبال ریویو" کراچی جولائی ۱۹۶۰ء

ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد۔ اپریل ۱۹۷۶ء

" اقبال" لاہور اکتوبر ۱۹۵۷ء

ماہنامہ "آئینہ" لاہور اپریل ۱۹۶۵ء

روزنامہ "انقلاب" لاہور ۷ جولائی ۱۹۲۷ء

ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد جنوری ۱۹۷۶ء

ماہنامہ "ترجمانِ اہلسنت" کراچی نومبر و دسمبر ۱۹۷۵ء

"اقبال" لاہور اکتوبر ۱۹۵۳ء

ماہنامہ "صوفی" پنڈی بہاء الدین اکتوبر ۱۹۲۶ء

تبصرے

روزنامہ نوائے وقت لاہور (۱۰ مئی ۱۹۷۸ء)

"فاضل مصنف نے آغاز میں عشقِ رسول کی حقیقت قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کی ہے اور پھر دونوں شخصیتوں کے کردار و سیرت کی تشکیل میں اس جذبے کی کارفرمائی کی مثالیں پیش کی ہیں عشقِ رسولِ مقبول کی اہمیت پر ان دونوں بزرگوں کے اشعار، مکتوبات اور دیگر تحریریں بھی کتاب میں شامل ہیں۔ اس طرح کتاب ایک اہم دستاویز بن گئی ہے۔ مصنف خود عشقِ رسولِ مقبول سے بہرہ ور ہیں۔ چنانچہ کتاب کی تدوین اسی جذبے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اندازِ بیان بڑا صاف اور موثر ہے۔ یہ کتاب ہر پاکستانی کے مطالعہ میں آنی چاہیئے تاکہ وہ ایک مسلمان کی زندگی میں عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سے آگاہ ہو کر دین و دنیا میں فلاح کی اصل راہ پر گامزن ہو سکے۔"

(مسعود جاوید ہمدانی)

روزنامہ مساوات لاہور (۱۶ فروری ۱۹۷۸ء)

"راجا رشید محمود ہمارے ملک کے جانے پہچانے شاعر اور ادیب ہیں۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ جس طرح شاعرِ مشرق نے عشقِ رسول میں ڈوب کر بلند پایہ اشعار کہے اور حضور نبی کریم کی مدحت سرائی کی ہے اُسی طرح اعلیٰ حضرت کی ساری زندگی کا مرکز و محور محض عشقِ رسول ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں زعما ایک ہی قافلے کے مسافر اور ایک ہی منزل کے راہی تھے۔ دونوں کی نعتیہ شاعری میں عشقِ رسول کا بھرپور احساس ملتا ہے۔ مصنف نے پاک و ہند کے ممتاز ادیبوں اور نقادوں کی وہ آرا بھی پیش کر دی ہیں جو انہوں نے شاعرِ مشرق اور اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے متعلق دی تھیں۔"

(ایم طفیل۔ ایم اے)

روزنامہ جنگ کراچی (۵ مئی ۱۹۷۸ء)

"شاعرِ مشرق علامہ اقبال اور حضرت احمد رضا بریلوی ہماری تاریخ کے دو بڑے نام ہیں اور دونوں عشقِ رسول میں سرشار تھے۔ راجا رشید محمود نے اسی حوالے سے یہ مختصر کتاب تالیف کی ہے۔ شاعری میں نعت گوئی مشکل بھی ہے اور موضوع کے لحاظ سے بہت نازک بھی مگر علامہ اقبال اور حضرت رضا بریلوی نے اپنے اپنے مخصوص انداز میں اس میں وہ کمال پیدا کیا جو دوسروں کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس کتاب میں اسی پہلو کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مؤلف نے مختلف تحریروں کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت رضا بریلوی کا نعتیہ کلام علامہ اقبال کی نظر میں تھا۔"

روزنامہ جسارت کراچی (۱۰ مارچ ۱۹۷۸ء)

"دونوں زعما میں جو اقدار مشترک تھیں اُن میں سے عشقِ مصطفیٰ کو وہی اوّلیت اور فوقیت حاصل تھی۔ اقبال بنیادی طور پر اپنے فکر اور اپنے جذبے کو اپنی شاعری کے ذریعے پیش کرتے تھے لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اپنی نثری تصانیف کے علاوہ یہی جذبہ اپنی نعتوں کے وسیلے سے بھی پیش کیا ہے۔ اردو اور فارسی کی نعتیہ شاعری میں اقبال ایک منفرد اور امتیازی مقام رکھتے تھے۔ اسی طرح مولانا احمد رضا خاں کا نعتیہ کلام اس مرتبے کا ہے کہ انہیں صفِ اوّل کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ انہیں بھی زبان کے ساتھ ساتھ فن پر پورا عبور حاصل تھا۔ کتاب ان دونوں زعما کی خصوصیاتِ نعت گوئی کے جائزے پر مشتمل ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں خصوصیت سے مصنف نے علامہ اقبال کے ان خیالات کو بھی بیان کیا ہے جو وہ مولانا احمد رضا خاں کی بابت رکھتے تھے۔

اس میں ان عناصرِ فکری کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جو ان دونوں میں مشترک اور حاوی نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب قابلِ مطالعہ ہے۔"

روزنامہ حیات لاہور (۲۸ فروری ۱۹۷۸ء)

"وہ لوگ جنہیں ادیب یا مصنف کہا جاتا ہے، راجا رشید محمود ان میں شاید پہلے شخص ہیں، جن کے ظاہر اور باطن میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ادبیت کے اس تاریک اور گھمبیر ظلمتوں کے دور میں راجا رشید محمود نے روحانیت کی ایک ننھی سی شمع جلا رکھی ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں سرتاپا غرق راجا صاحب اپنی زندگی کو حضور کی نظرِ کرم کا کرشمہ اور خداوند تعالیٰ کا عطیہ سمجھتے ہیں۔ "اقبال و احمد رضا" کی تالیف میں اُنہوں نے اسی حقیقت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔۔۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ راجا صاحب نے اس کتاب پر نہ صرف انتہائی محنت صرف کی ہے بلکہ مختلف حوالہ جات کو یکجا کرنے اور پھر ان کے انتخاب کے سلسلے میں کافی عرق ریزی سے کام لیا ہے، کتاب کے آغاز میں امام احمد رضا بریلوی کی شخصیت اور ان کی نعتیہ شاعری کے بارے میں مختلف علمائے کرام اور ادبائے عظام کے رشحاتِ قلم دیئے گئے ہیں جن کی روشنی میں حضرت احمد رضا بریلوی کی ایک سچی اور نکھری ہوئی تصویر نگاہوں کے سامنے آتی ہے، اس کے بعد مختلف اشعار کے حوالے سے علامہ اقبال اور احمد رضا بریلوی کی ذہنی ہم آہنگی، فکری یگانگت اور روحانی قدرِ مشترک ثابت کی گئی ہے۔"

(عینک خالد)

روزنامہ مغربی پاکستان لاہور (۷ مارچ ۱۹۷۸ء)

"زیرِ نظر کتاب مشہور مؤلف و مصنف راجا رشید محمود کی تازہ دینی و ادبی

کاوش ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے علامہ اقبال اور شاہ احمد رضا خاں بریلوی کی نعت گوئی اور عشقِ رسول کا موازنہ کیا ہے ۔۔۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی اس کوشش میں خاصی حد تک کامیاب رہے ہیں ۔۔۔۔ "اقبال و احمد رضا" تحقیقی اعتبار سے ایک بلند پایہ کتاب ہے۔"

(نقاد)

ہفت روزہ اُفق کراچی

(۱۶ر اپریل ۱۹۷۸ء)

"کتاب میں برصغیر پاک و ہند کی دو عظیم شخصیات شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کی فکری یکسانیت، خاص طور پر نعتیہ شاعری میں افکار کی مماثلت کو بڑے تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب میں دیگر اہلِ علم حضرات کی اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے بارے میں آراء، اقبال و احمد رضا کا تعلق، عشق و احترام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر عنوانات پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔"

ماہنامہ شام و سحر لاہور

(جون ۱۹۷۸ء)

"مولانا احمد رضا خاں برصغیر میں دو قومی نظریہ کے زبردست مبلغ تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء میں گاندھی کی تحریکِ ترکِ موالات کے خلاف آواز بلند کرکے متحدہ قومیت (ہندو مسلم اتحاد) کی شدید مخالفت کی تھی۔ علامہ اقبال نے اس سے پہلے ۱۹۰۸ء میں اپنے ہی ملکی ترانے کے جواب میں ملّی ترانہ لکھ کر دو قومی نظریہ کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ یہ کوئی نئی بات نہیں، دو قومی نظریہ تو چودہ سو سال پیشتر اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی (کفر و اسلام کی شکل میں) عالمِ وجود میں آگیا تھا۔ بہر حال یہ دونوں بزرگ نیشنلسٹ مسلمانوں کے خلاف برصغیر میں دو قومی نظریہ کے علمبردار تھے جس کے ماتحت پاکستان وجود عالمِ وجود میں آیا۔ "اقبال و احمد رضا" میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

کے تذکرے کے ساتھ ان دونوں بزرگوں کے جذبۂ عشقِ رسول کا بیان ہے جو بہت دلچسپ ہے ۔۔۔۔۔۔ کتاب میں دونوں بزرگوں کے نعتیہ اشعار کے مختلف پہلوؤں کا تقابل نہایت خوش اسلوبی اور بالغ نظری سے کیا گیا ہے۔ مؤلف کی یہ محنت قابلِ داد ہے۔"

(اصغر حسین خاں نظیر لودھیانوی)

ماہنامہ فیضان لاہور

(اگست ۱۹۷۸ء)

"زیرِ تبصرہ کتاب میں مصنف نے اقبال و احمد رضا کی ایک قدرِ مشترک، عشقِ رسول پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ دونوں عاشقانِ رسول کے نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے ایسے واقعات و حالات بھی بطور شواہد پیش کئے ہیں جو عشقِ رسالت پناہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب تیس ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب اپنی جگہ پر ایک جامع اور وقیع مقالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کتاب کی ترتیب و تدوین میں مرتب نے ساٹھ کتب و رسائل سے استفادہ کیا ہے جس سے ان کی محنت اور عرق ریزی کا پتا چلتا ہے ۔۔۔۔۔۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے عاشقانِ اقبال اور عاشقانِ رضا کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔"

(سید نور محمد قادری)

ماہنامہ کتاب لاہور

(اپریل ۱۹۷۸ء)

"حکیم الامت علامہ محمد اقبال اور مجددِ دین و ملت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی قدرِ مشترک ـــــ "عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" پر قلم اٹھانے کی سعادت ممتاز نعت گو شاعر اور ادیب راجا رشید محمود کے حصے میں آئی ۔۔۔۔ مؤلف نے اپنی اس کتاب کے ذریعے اقبالیات کے سلسلے میں ایک گرانقدر اضافہ کرنے کے ساتھ

ساتھ اقبال شناسی کے حوالے سے ایک نئی جہت کا سُراغ بھی لگایا ہے...... کتاب مولّف کے انشا پردازانہ اسلوب کی بھی غمّاز ہے اور تحقیق کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے اندر رکھتی ہے۔" (پروفیسر آفتاب احمد نقوی)

دو ماہی "قرطاس" گوجرانوالہ (مئی ۱۹۷۸ء)

"فاضل مولّف نے اپنی اس گراں قدر تالیف میں برصغیر پاک و ہند کی ان دو مختلف العمل لیکن جامع العلوم شخصیات کے افکار و کردار کے ان حصوں کا، جن کا براہِ راست تعلق محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، تقابلی جائزہ پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ ہماری تاریخ کے یہ درخشندہ ستارے اور مدحت گرانِ پیغمبر کسی طرح بھی حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ایک دوسرے سے پیچھے نہیں ہیں بلکہ جن عقائد کی بنا پر کچھ لوگ ان دونوں عاشقانِ رسول میں سے کسی ایک کو مطعون گردانتے ہیں، محبت کا وہی جرم دوسرے نے بھی کیا ہے اور تواتر و تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔"

مجلّہ "نور الحبیب" بصیر پور (مئی ۱۹۷۸ء)

"اگرچہ اقبال و رضا تمام عمر علیحدہ علیحدہ میدانوں میں سرگرمِ عمل رہے لیکن عشقِ رسول وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد ان دونوں عبقری شخصیتوں کا پورا پیغام گردش کر رہا ہے۔ راجا رشید محمود نے نورِ مصطفےٰ، میلاد النبی، حیات النبی، حاضر و ناظر، علمِ غیب، سرکار کی قدرت و شفاعت جیسے اہم مسائل میں اقبال و رضا کا مشترکہ عقیدہ ان کے مضامین و اشعار کے آئینے میں بیان کیا ہے۔ یہ ایک مثبت اور تعمیری کوشش ہے جو یقیناً قابلِ تبریک ہے۔ کتاب ہذا کا مطالعہ کرتے ہوئے فاضل مصنف کی بصیرت، محنت و عقیدت، جدتِ طبع، ذوقِ مطالعہ اور شوقِ تجسس کی داد دینا پڑتی ہے۔" (محمد محب اللہ نوری)

حکیم اہلِ سنّت کا مکتوب گرامی

انجمن خدام احمد رضا، لاہور کی شائع کردہ کتاب "اقبال و احمد رضا" کے مطالعے سے روح و جاں کو سرور و انبساط حاصل ہوا۔ عشقِ مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثنا) کے مختلف پہلوؤں پر ان دو نابغہ شخصیتوں کے فکر میں اشتراک اظہر من الشمس ہو گیا ہے۔ مؤلف نے مختلف موضوعات پر اعلیٰ حضرت اور علامہ اقبال کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے بارے میں علامہ اقبال کا عقیدہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ظاہر ہے۔

"مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش راوی ہیں کہ جب مسجد وزیر خاں لاہور میں علماء کے مابین حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے موضوع پر مناظرہ ہونا قرار پایا اور فریقین میں شرائطِ مناظرہ طے نہ ہونے کی وجہ سے بحث زیادہ طول پکڑ گئی تو معززین لاہور کے ایک وفد نے حضرت علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ فریقین کے چیدہ چیدہ علماء آپ کے سامنے آ کر مناظرہ کریں اور آپ جو فیصلہ فرمائیں وہ عوام الناس کو سنا دیا جائے۔ علامہ مرحوم نے جب معززین سے یہ بات سنی تو بے اختیار ہو کر زار زار رونے لگ گئے۔ جب آپ کی طبیعت بحال ہوئی تو حاضرین نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ مرحوم فرمانے لگے کہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج کچھ علماء حضور (فداہ امی و ابی روحی و جسدی) کے علم کو ناقص ثابت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ مجھے آپ لوگوں کے ایمان پر تعجب ہے کہ آپ مجھ سے یہ فیصلہ چاہتے ہیں کہ حضور کا علم ناقص تھا یا کامل! میرا تو یہ ایمان ہے۔" ؎

چشمِ او بر زشت و خوبِ کائنات
در نگاہِ او غیوبِ کائنات!

(ماہنامہ شمس المشائخ رمداس، نومبر ۷۸ء، کتاب "مقام مصطفےٰ" از ملک شیر محمد خان اعوان)
(ناشر: ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۸ء/ ص ۲۶۰)

★ حکیم محمد موسیٰ امرتسری ★
صدر مرکزی مجلس رضا، لاہور